رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳۳

ہارمنی
مجلسی
جسمانی
علمی
دماغی
روحانی

اِندر

جلد دوم | مئی سنہ ۱۹۰۷ء | نمبر ۵

فہرست مضامین

ایڈیٹر دھرم پال۔ بی۔اے
لاہور

پنجاب اکانومیکل پریس لاہور

قیمت سالانہ ۳ روپے مع محصولڈاک
ممالک غیر ۸ /۳ روپے مع محصولڈاک

اِندر کے متعلق

۱- اِندر ہر ایک ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ جو اصحاب پہلی یا دوسری تاریخ کو ہی یہ شکایت لکھ دیتے ہیں۔ کہ کیا وجہ ہے اندر ابھی تک نہیں ملا۔ اُن کو تاریخ یاد رکھنی چاہیئے +

۲- تبدیلئے پتہ کی اطلاع کے ساتھ چٹ کا نمبر ضرور لکھنا چاہیئے +

۳- بعض اصحاب نمبر ۳۳۵ کو ہی چٹ نمبر لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ رسالہ کا رجسٹرڈ نمبر ہے +

۴- پرچہ کے گم ہونے کی اطلاع اسی ماہ میں آنی چاہیئے۔ نہ کہ ڈیڑھ ماہ بعد +

۵- اِندر جنوری ۱۹۰۷ء سے دوسرے سال کی مسافت طے کر رہا ہے۔ بعض اصحاب اِندر کی پچھلی جلدیں طلب کر رہے ہیں۔ اور کئی نئے خریدار جنوری ۱۹۰۶ء سے خریدار بننے کے خواہشمند ہیں۔ اُن کی آگاہی کے لئے اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ مئی اور اگست کے نمبر بالکل نہیں رہے۔ بقیہ مہینوں کے نمبر ۲ر فی جلد کے حساب سے مل سکتے ہیں +

۶- جو گراہک اندر کی فائل نہیں رکھتے۔ اگر وہ مئی اور اگست کے پرانے پرچے واپس کرنا چاہیں۔ تو ۴ر فی پرچہ کے حساب سے خریدے جا سکتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اس امر کی نسبت مینجر سے خط و کتابت کریں +

۷- کئی وجوہات کی بنا پر یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ کہ آئندہ افریقہ نوسی بھائیوں کی خدمت میں بلا وصول پیشگی قیمت اندر جاری نہیں کیا جائیگا +

شوک سماچار

اپریل کے مہینے میں پلیگ نے جو تباہی برپا کی ہے - وہ بیرون از بیان ہے - سخت دُکھ اور افسوس سے لکھا جاتا ہے - کہ ہمارے نوجوان ہونہار دھارمک بھائی پنڈت سومراج جی ایڈیٹر "شبھ چنتک" اور لالہ اچھر چند جی مینیجر اخبار مذکور کا پلیگ سے دیہانت ہو گیا - جہاں ہمیں آریہ سماج کے ان سیوکوں کی موت پر سخت دکھ ہو رہا ہے - وہاں اس کے ساتھ ہی قادیان کے مرزائی اخبارات کی موذیانہ خوشی پر سخت غصہ آرہا ہے - مرزا اور اُس کے چیلے چانٹے ہمارے بھائیوں کی موت پر خوشی منا رہے ہیں - کہ اللہ تعالےٰ کا الہام پورا ہو گیا - مگر معلوم نہیں ان کا یہ اللہ تعالےٰ کس قسم کا ظالم ہے - جس نے پچھلے سال "بادر" کے ایڈیٹر کو بھی نہایت ہی ذلت وخواری کے ساتھ پلیگ کی موت مارا تھا - اس وقت تو ان لوگوں نے کوئی خوشی نہیں منائی تھی - مگر اب خوشی منانے کا کونسا موقع ہے - ہمارے خیال میں قادیان اور گورداسپور کے آریہ پُرش پنڈت سومراج جی اور لالہ اچھر چند جی کی یادگار کو قائم رکھنے کے لئے جنہوں نے کہ کئی سالوں سے پاکھنڈ کے برخلاف جنگ کرنیکا ذمہ لیا ہوا تھا - شبھ چنتک کو برابر جاری رکھینگے - اور کسی صورت میں بھی اس کو بند نہیں ہونے دینگے +

اِندر کے جُون

کے پرچہ میں ایک بوڑھے آریہ سولجر کا ایک خاص خط
شائع ہوگا۔ جس کو شاید تعلیم یافتہ اصحاب ہی سمجھ
سکیں۔ مگر جو سمجھینگے۔ وہ پھڑک اُٹھینگے۔ خصوصاً
آریہ سماج کے نوجوان تو تڑپ اٹھینگے۔ بوڑھے سولجر
نے خط کیا لکھا ہے۔ آگ بھر دی ہے۔ بڑھاپے
میں یہ جوش!! نوجوانوں کو مات کردیا۔ غضب کردیا
خطوط بہت آئے۔ بہت پڑھے مگر بوڑھے سولجر
کا خط کاٹ کر گیا۔ تڑپا گیا!!!

اوم

اِندر

مئی سنہ ۱۹۰۷ء

کیا برکشوں میں جیو ہے

یہ سوال کہ آیا برکشوں میں جیو ہے یا نہیں آریہ سماج میں اکثر اُٹھا کرتا ہے۔ سوال علمی طور پر خود بڑا دلچسپ ہے۔ مگر اُس کی دلچسپی اُس کے اخلاقی پہلو کی وجہ سے بہت ہی زیادہ ہوگئی ہے۔ خاصکر آریہ سماج میں جہاں گوشت خواری کے سوال نے اس مبارک سوسائٹی کو دو حصوں پر تقسیم کر رکھا ہے +

اکثر آریہ اخبارات میں برکشوں کی بابت مختلف سوالات دیکھے گئے مگر کسی مہاشے نے سائلوں کی تشفی جواب دیکر نہ کی۔ وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی

ہے کہ سوالات کا جواب شافی دینے کے لئے علوم قدیمہ کے علاوہ زمانہ حال کے سائنس خصوصاً علم نباتات وحیوانات سے پوری واقفیت کی ضرورت ہے۔ چونکہ ان سب علوم پر عبور رکھنے والے وِدوان اول تو کم ہیں۔ اور جو ہیں وہ بوجہ مصروفیت اس طرف مخاطب نہیں ہوتے۔ اور انگریزی نہ جاننے والے بھائیوں کی رسائی اُن کتب تک نہیں ہے۔ جن میں اس مسئلہ پر سائنٹفک پہلو سے بحث کی گئی ہے لہذا راقم الحروف نے جو خود محض مبتدی ہے مناسب سمجھا کہ جو کچھ اس مسئلہ پر کتب انگریزی میں مطالعہ کیا ہے۔ اس کا خلاصہ آریہ بھائیوں کی سیوا میں پیش کرنے تا کہ جب تک زیادہ لائق مہاشے اپنے متلاشی بھائیوں کی تشفی کے لئے کمر بستہ ہوں اس وقت تک یہ چند واقعات معرض بحث میں آکر صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کچھ مدد دے سکیں ٭

قبل مضمون شروع کرنے کے یہ ظاہر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ انگریزی کتب سائنس کا اقتباس ہے۔ جن کا نام معہ حوالہ لکھدیا گیا ہے۔ یہ کتب موجودہ زمانہ کے سربرآوردہ ماہرین کی تصانیف ہیں اور جو واقعات اُن میں درج ہیں۔ اُن کی صحت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو نتائج اُن واقعات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ قابل بحث ہو سکتے ہیں۔ اور لازمی نہیں ہے کہ اُن نتائج کو ضرور ہی مان لیا جاوے۔ پس ان واقعات کو اُن نتائج سے جو رشیوں نے شاستروں میں لکھا ہے ملا کر سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ کیونکہ رشیوں نے اپنے بے نظیر سوتروں میں ہر علم کی بابت اپنی تحقیقات کے نتائج کو درج کر دیا ہے۔ گو اُنھوں نے وہ واقعات جن سے نتائج مذکور اخذ کئے گئے بخوف طوالت نہیں لکھے ہیں۔ بجنسہ جس طرح حساب اعداد میں سوال کا جواب لکھکر درمیانی عمل جس سے وہ جواب برآمد ہوا چھوڑ دیا گیا ہو۔ اب ہمارا فرض ہے اُس عمل گم شدہ کو زمانہ حال کے سائنس کی مدد سے دریافت کریں ٭

برکشوں میں جیو ہے یا نہیں۔ اس سوال کے جواب دینے سے پہلے یہ

غور کر لینا ضروری ہے کہ برکش کس کو کہنا چاہئے۔ یعنی پہلا سوال یہ ہے کہ نباتات
اور حیوانات کے درمیان کوئی خط فاصل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا۔ یہ سوال
ظاہرا تو فضول سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک بچہ بھی بتلا سکتا ہے کہ گھاس
اور گھوڑے میں بڑا فرق ہے۔ درخت پودے۔ پھول اور شے ہیں۔ کیڑے مکوڑے
چرند پرند اور ہیں۔ ایک عظیم فرق تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ درخت ستھاور
یعنی قائم ہیں۔ اور جانور حرکت کرتے ہیں۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ جو حرکت نہ
کریں وہ نباتات اور جو حرکت کریں وہ حیوانات کے زمرہ میں شامل ہونگے +

مگر تحقیقات کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قوت متحرکہ یعنی چلنے پھرنے کی
طاقت حیوانات کا کوئی لازمی خاصہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے حیوانات ایسے
ہیں۔ جو مطلق نہیں چلتے مثلاً مونگا یعنی مرجان اور اسفنج جسے ابر مردہ بھی
کہتے ہیں۔ نیز ہائیڈرا (Hydra) اور جیلی فش (jelly fish)
بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں۔ یہ چیزیں پہلے برکشوں میں سمجھی جاتی تھیں۔ مگر
اب علماء یورپ کو اُن کے جانور ہونے میں ذرا شک باقی نہیں رہا ہے۔
کیونکہ اُن میں نشانات گیان اندریوں کے پائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے
جانور اصطلاح علم حیوانات میں سیلن ٹریٹا (Calentrata)
یعنی کھوکھلے جسم والے کہلاتے ہیں۔ اُن کے جسم میں سے مثل مکڑی کے مادہ خارج
ہوا کرتا ہے جس میں اکثر اُن کی سکونت رہتی ہے۔ جیسے کہ مونگا اور اسفنج ہیں۔
بسا اوقات یہ خارج شدہ مادہ نہایت خوشنما و خوشرنگ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک
قسم کے کیڑے کے خارج شدہ مادہ کا نام بوجہ اُس کی خوبصورتی کے
(venus's flower basket) یعنی کام
دیو کا پھول ڈول رکھا گیا ہے +

ذیل میں تصویر مونگے کے گروہوں کی دیجاتی ہے۔ جن کے جزیرہ کے
جزیرہ موجود ہیں۔ یہ کیڑے سمندر کی زبردست لہروں سے بیخوف بیچ سمندر میں

مثل زمین کے ایسی مضبوط بنیاد قایم کرلیتے ہیں کہ پرند اُن پر اپنے گھونسلے اور انسان مکانات بنا لیتے ہیں +

تصویر جزیرہ مرجان
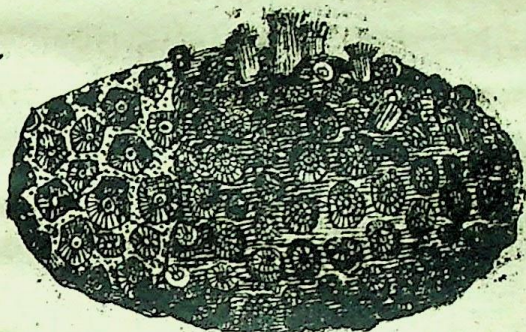
اِس تصویر میں بائیں جانب فقط مونگے ہیں۔ جنکا درمیانی مادہ خارج شدہ نکال دیا گیا ہے۔ داہنی جانب وہ مادہ بھی دکھلایا گیا ہے۔ حصہ بالا میں کئی جانور اپنے ہم چشموں سے اوپر نکلے ہوئے دکھائے گئے ہیں +

اسی طرح ابر مردہ بھی اوسی قسم کے کیڑوں کے جسم سے خارج شدہ مادہ ہے۔ اسفنج میں جو سوراخ ہوتے ہیں۔ اون میں اسفنج کا کیڑا رہتا ہے۔ اور اسفنج اوس کا فضلہ ہے جو قدرت الہیٰ سے مثل موم اوس کا قیامگاہ بنجاتا ہے۔ یہ کیڑے فعل حرکت سے مجبور ہیں مگر غذا اور آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ جو کہ خاصہ حیوانات کا ہے۔ چونکہ اسفنج پانی میں ہوتا ہے اس لئے جو کیڑے اسفنج کے بیرونی حصوں میں ہوتے ہیں وہ تو آسانی سے اپنی خوراک پانی سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اندر والے کیڑوں کے جسم میں ہلنے والے بال مثل مژگاں ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ پانی پر ایک کی سی مار لگایا

کرتے ہیں اور پانی کو ایک جانب کے سوراخوں سے کھینچ کر دوسری جانب چھوڑ دیتے ہیں۔ جب پانی داخل ہوتا ہے یہ کیڑے اوس میں سے اپنے لئے ہوا اور خوراک جذب کر لیتے ہیں۔ اور اوس کے اخراج کے وقت اپنا فضلہ اوس میں چھوڑ دیتے ہیں جس کو پانی بہالیجاتا ہے۔ پورا اسفنج جس کی تصویر ذیل میں دیجاتی ہے ایک طرح کا شہر ہوتا ہے۔ جس کے گلی کوچوں میں مثل شہر وینس پانی بہتا پھرتا ہے؛

تصویر اسفنج کی بناوٹ کی
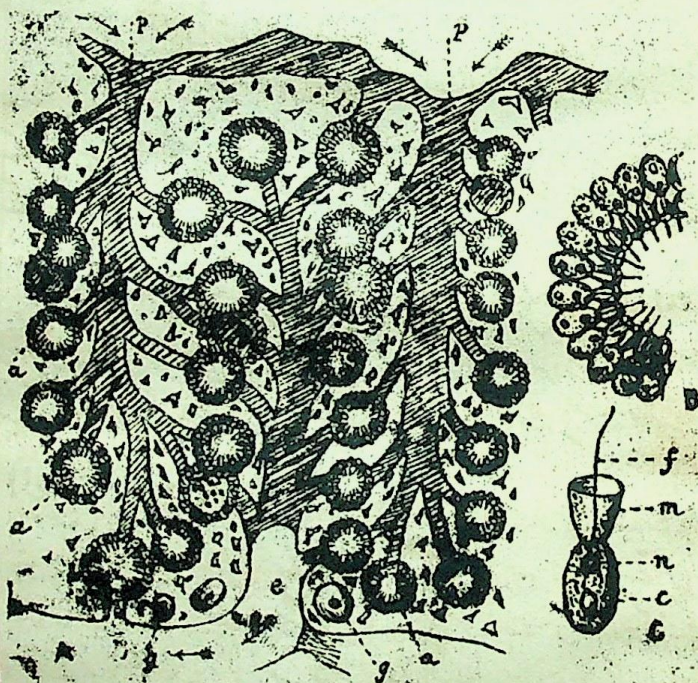
(A) بیرونی جھلی ہے اسمیں (m) نالیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جن میں پانی شیریانوں کی طرح دورہ کرتا۔ اور مقامات (a)

میں سے ہوکر گذرتا اور مقامات (e) میں سے خارج ہو جاتا ہے

(B) = ابر مردہ کے غدود ہیں۔

(c) ابر مردہ کے اجزا کو بڑا کر کے دکھایا گیا ہے (f) بال فرژگان

(f) کالر (n) ہولا۔ (e) سکڑنیوالا غدود ہے۔

اسفنج سے کسی قدر اعلیٰ رتبہ کا جانور ہائی ڈرا (Hydra) ہے۔ دریاؤں وغیرہ میں گھاس اور کوڑے کے تنکوں کو اس ہائی ڈرا کے ہزار ہا اجسام چمٹ جاتے ہیں اور مثل خوشہ کے لٹکتے رہتے ہیں۔ ان خوشوں میں لمبے لمبے خیمہ نما انڈے ہوتے ہیں۔ جن کے اندر خار دار ریشے ایک زہریلی عرق میں بھیگے پڑے رہتے ہیں۔ جسوقت کوئی کیڑا ان انڈوں سے چھو جاتا ہے۔ اوسی وقت وہ سکڑ جاتے ہیں۔ اور انڈے پھٹ جاتے ہیں۔ انڈوں کے اندر کے ریشے نکلکر شکار کے گرد لپٹ جاتے ہیں اور وہ زہریلا عرق جو انڈوں میں بھرا ہوتا ہے شکار کے جسم میں بھر جاتا ہے اور شکار مر جاتا ہے۔ (hydra) ہائی ڈرا کی شکل مثل نلکی کے ہوتی ہے۔ اس میں مثل شہد کے ایک شئے نصف منجمد بھری ہوتی ہے اور رنگت اس کی سبز ہوتی ہے۔ کیونکہ کلورو فل (Chlorophyll) جس کی وجہ سے درختوں کے پتے سبز ہوتے ہیں۔ اور جو کہ ہر درخت میں موجود ہوتی ہے اس (hydra) ہائی ڈرا میں بھی موجود ہوتی ہے۔ تصویر ہائی ڈرا کی حسب ذیل ہے۔

ا - انڈے سے نکلتے وقت ہائی ڈرا کی شکل (ب) معمولی حالت ہائی ڈرا کی (ج) ریشہ نکلا ہوا ہے

اس سے بھی زیادہ عجیب جیلی فش (Jelly fish) یہ گھاس کی شکل کی خوشنما مچھلی ہائی ڈرا کی ایک بحری قسم ہے۔ اسکی تصویر حسب ذیل ہے۔
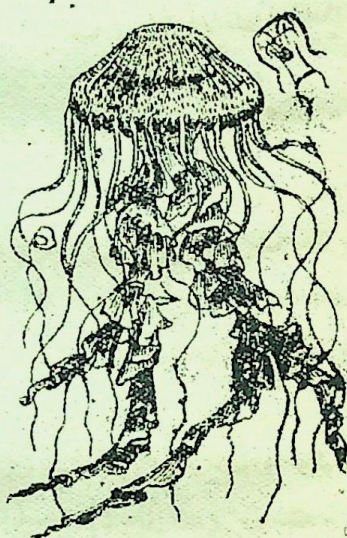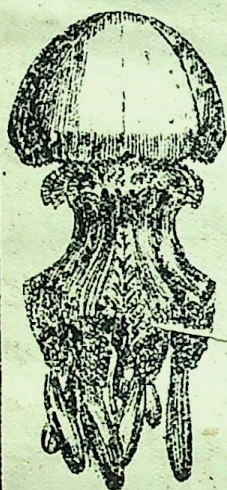
جیلی فش سمندر کی تہ میں پیدا ہوکر گھاس کی طرح سمندر کی لہروں سے جھومتی رہتی ہے۔ سمندر کی تہ میں اوس کے نہایت خوشنما جنگل کے جنگل ہوتے ہیں۔ اوس میں سے چھوٹی چھوٹی سخت نلکی مثل پھول کے نکلتی ہے اس کی کلیاں اصل درخت سے علیحدہ ہو جاتی ہیں اور اون میں سے انڈے نکلتے ہیں۔ جو زمین میں جڑھ پکڑ جاتے ہیں۔ اور اس کا نام پالیپس (Polypus) ہے۔ پالیپس سے پھر جیلی فش پیدا ہوتی ہے اور اوس میں سے پھر انڈہ نکلکر پالیپس پیدا ہوتا ہے۔ اس جانور کے ٹوپی نما حصہ میں

رگیں ہوتی ہیں۔ جوکہ اوس کے ہر حصہ میں غذا اور آکسیجن پہونچاتی ہے۔ اور اعصاب کی طرح سکڑنے اور پھیلنے والے ڈنٹھل ہوتے ہیں۔ جوکہ اوس کو ہلایا کرتے ہیں۔ ٹوپی کے کناروں پر چاروں طرف نروس سسٹم (nervous system) کے ریشہ ہوتے ہیں۔ جن میں اندریاں اپنی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں۔ یعنی ابتدائی حالت کی آنکھ اور چھوٹے چھوٹے کان بہ شکل کیسہ ہوتے ہیں۔ جیلی فش کے لٹکتے ہوئے ریشوں میں مثل ہائی ڈرا کے ایک زہریلا عرق ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ شکار جانوروں کا کرتا ہے ٭

ان سے بھی زیادہ خوشنما اور خوشتر رنگ اور بناوٹ میں زیادہ سنجیدہ رنگ برنگ کے (sea anemon) سی اینی مون ہوتے ہیں۔ جن کے لمبے لمبے خیمہ نما انڈے مثل پنکھڑی کے ہوتے ہیں۔ انہی کے قریب مرجان یعنی مونگے اور سی ارچن (sea urchin) اور سٹارفش (starfish) اور (sea cucumber) یعنی دریائی کریلہ ہیں۔ یہ سب جاندار ہیں۔ دریائی کریلہ جس کی شبیہ اگلے صفحہ پر دیجاتی ہے۔ بجنسہ مثل لمبے کریلہ کے ہوتا ہے۔ اوس کے اوپر ایک طرف آنکھ ہوتی ہے۔ جس میں قریب دو سو بلور کے سے شفاف آئینہ ہوتے ہیں اور ایک قسم کا جالا آنکھ پر ہوتا ہے۔ جو قایم مقام پلکوں کا سمجھنا چاہیئے۔ یہ جانور آہستہ آہستہ سرکتے ہیں۔ یہی حالت مرجان یا مونگے کے کیڑے کی ہے۔ جسکی تصویر ہم پیچھے دے چکے ہیں ٭

اس تصویر کے بائیں جانب دیکھنے سے وہ حالت معلوم ہوتی ہے کہ جزیرہ مرجان سے ملایم اجزا نکال دیئے جاویں۔ داہنی جانب اصلی حالت معلوم ہوتی ہے۔ ادھر کے حصہ میں کئی کیڑے اوپر کو نکلے ہوئے ہیں ٭

تصویر دریائی کریلہ کی
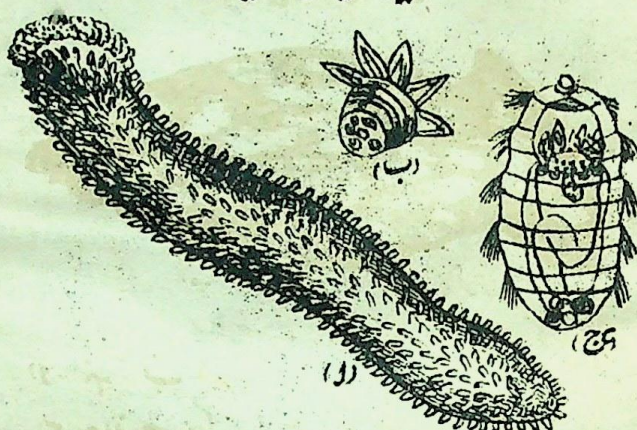
ا - دریائی کریلہ - ب و ج بچہ دریائی کریلہ +

واضح رہے کہ یہ مثالیں اس غرض سے دیجاتی ہیں - کہ ناظرین کو واضح ہوجاوے کہ برکشوں اور جانوروں کے درمیان ایک مخلوق اس قسم کی ہے - جس میں کچھ کچھ خواص دونوں گروہوں کے موجود ہیں - یعنی وہ جانور کی طرح غذا کھاتے - آنکھ کان وغیرہ رکھتے ہوئے اور تنسکار کرتے ہوئے بھی بسا اوقات حرکت نہیں کر سکتے - پس ان کو نہ جانور کہا جاسکتا ہے - نہ درخت - بیان متذکرہ صدر سے ناظرین کو یہ بھی ثابت ہوا ہوگا کہ چونکہ ایسے جاندار بھی موجود ہیں جو حرکت نہیں کر سکتے - پس حرکت کرنے نہ کرنے کی بنیاد پر حیوانات اور نباتات میں تفریق نہیں کی جاسکتی -

اس کی مزید تائید (sea squirt) یعنی بحری بوتل نامی جانور سے ہوتی ہے جس کی شبیہہ حسب ذیل ہے +

تصویر بحری بوتل
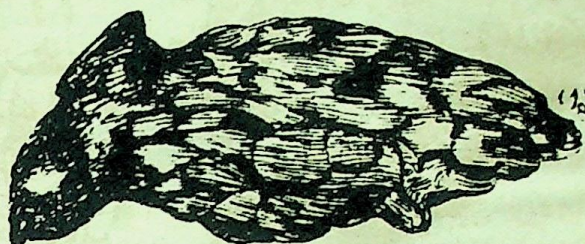
(ا - منھ - ب مقعد -)

اس جانور میں حرکت کرنیکی بات مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ اوس کی جڑ پتھروں گھونگون وغیرہ میں جمی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے جسم میں دو سوراخ ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک کے ذریعہ غذا جسم میں جاتی ہے اور دوسرے کے ذریعہ سے خارج ہوتی ہے۔ یہ جانور سانس لیتا ہے اور اوس کے جسم میں سانس لینے کا تھیلہ ہوتا ہے۔ اوس کے گلے میں ہو کر پانی معدہ میں جاتا ہے۔ معدہ میں آنتیں موجود ہیں۔ پانی میں سے آنتیں آکسیجن جذب کر لیتی ہیں۔ بقیہ پانی راستہ ب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس جانور کا دل بشکل نلکی جسم کے زیرین حصہ میں ہوتا ہے اور مثل جانوروں کے دل کے دھڑکتا رہتا ہے۔ دونوں سوراخوں کے درمیان دماغ ہوتا ہے یہ جانور انڈا دیتا ہے جو مثل مینڈک کے ہوتا ہے +

اوپر کی مثالیں اُن جانوروں کی ہیں جن میں درختوں کے خواص موجود ہیں اور جو درختوں کی ہی شباہت رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے اون درختوں کو ملاحظہ فرمادیں۔ جن میں جانوروں کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈایونیا (Dion muscipula) جو امریکہ میں پایا جاتا

ہے۔ بوجہ اوس کے مکر و فریب اور اوس کی خوبصورتی کے اُس کا مشہور نام (venus fly trap) یعنی زہرہ کا جالؔ ہے۔ چونکہ اس درخت کو کافی غذا اوس دلدل میں نہیں ملتی جس میں کہ وہ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا وہ مکھیاں کھانے لگا ہے۔ اس درخت کی کئی اقسام ہیں۔ ایک وہ جس کے پتے مثل کسی کتاب کے اوراق کے کھلے رہتے ہیں۔ اور پتوں کے کناروں پر زہریلے رونگٹے مثل ہائی ڈرا (hydra) کے ہوتے ہیں۔ جن کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ جس وقت کوئی کیڑا اس خوشنما پتے پر جا کر بیٹھا۔ فوراً وہ برگ کتاب نما مثل کتاب کے بند ہو جاتا ہے۔ اور بدنصیب کیڑا اوس میں دبکر مر جاتا ہے۔ تب اوس پتے میں سے ایک قسم کا عرق برآمد ہوتا ہے جو مثل اوسی صفرا کے ہے۔ جس کے ذریعہ سے جانداروں کی غذا تحلیل ہوتی ہے۔ اس عرق کی مدد سے وہ کیڑا درخت میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور اچھی طرح ہضم ہو جانے کے بعد پتے پھر بدستور کھل جاتے ہیں۔ ہضم شدہ کیڑے کا فضلہ پڑا رہتا ہے۔ اور پتا مثل سابق دوسرے شکار کی انتظار میں کھلا رہتا ہے +

ایک عجیب بات جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرکت کچھ معنی رکھتی ہے یہ ہے کہ اگر اوس کھلے پتے پر کوئی کنکری وغیرہ ڈالی جاوے تو پتا بند تو ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن عرق ہاضم طعام اوس میں سے نہیں نکلتا +

تصویر اوس درخت کی ذیل میں دی جاتی ہے۔

تصویر وینس فلائی ٹریپ

و۔ ہر پتے میں تین تین خار ہیں۔ جن کو چھوتے ہی پتا بند ہو جاتا ہے۔ اور کیڑا اوس میں پھنس جاتا ہے +

اس قسم کا ایک دوسرا درخت ہے۔ جس کے پھول میں ایک تھیلی بشکل فانوس لٹکتی رہتی ہے۔ اوس کی پنکھڑیوں پر شبنم کی طرح شیریں عرق کی بوندیں پڑی رہتی ہیں۔ جن کے لالچ سے بدنصیب کیڑے اوس پر پہونچ جاتے ہیں۔ اور پنکھڑی پر سے پھسل کر اوس چاہ بابل میں گر پڑتے ہیں۔ جوان کے گرنے کے انتظار میں کھلا رہتا ہے +

بیان متذکرہ صدر سے ناظرین کو بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ جو باتیں عوام درختوں سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ مثلاً حرکت نہ کرنا اور ایک جگہ قایم رہنا وہ باتیں بعض جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور جو خاصیتیں کہ جانوروں کی سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً شکار کرنا وغیرہ۔ وہ کسی کسی درخت میں بھی ملتی ہیں۔ پس بر کشش اور جیو میں امتیاز کرنا نہایت دشوار ہے +

وشنو لال ایم۔ اے

لائیکرگس رِشی کے قوانین

"دُنیا میں تم ہی عورتیں ہو۔ جوکہ مردوں پر حکومت کرتی ہو"۔ لیونیڈس کی عورت گارگو نے اپنی سہیلی کے یہ کلمات سُنکر جواب دیا "ہاں! دنیا میں ہم ہی عورتیں ہیں۔ جوکہ مرد پیدا کرتی ہیں"۔ اس مختصر سے سوال وجواب میں ایک صداقت پوشیدہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مردوں پر وہی عورتیں حکومت کرسکتی ہیں۔ جوکہ نیک اولاد پیدا کرنا اور اس کی تعلیم و تربیب کرنا جانتی ہیں۔ جو عورتیں اپنے بچوں کی تعلیم سے لاپرواہ رہتی ہیں۔ جو مائیں اپنے تازہ کھلے ہوئے پھولوں پر تعلیم و تربیت کی شبنم کے قطرات برسانا نہیں جانتیں۔ جو مائیں بچوّں کے دل دماغ کے کھیت میں تعلیم و تربیت کے بیج اُس وقت نہیں بوتیں۔ جبکہ وہ خاردار جھاڑیوں سے بالکل صاف ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اور کسی صورت میں بھی مردوں پر حکومت نہیں کرسکتیں کیونکہ یہ ایک عام بات ہے۔ کہ جو کاشتکار اپنی زمین میں کانٹے دار جھاڑیوں کے بیج بوتا ہے یا اُن کو اُگنے دیتا ہے۔ وہ اس بات کی تیاری کر رہا ہے کہ اس کی زندگی ایک مصیبت کی زندگی بن جاوے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کی جو حالت ہے۔ وہ ناگفتہ بہ ہے۔ وجہ یہی ہے۔ کہ وہ انسانوں کی شکل کے بچے پیدا کرتی ہیں۔ مگر "انسان" پیدا نہیں کرتیں۔ ایسی حالت میں انسان صورت حیوانوں کے پاؤں کے نیچے وہ جس قدر روندی جاوین اسی قدر تھوڑا ہے۔ لوگ شور مچا رہے ہیں۔ کہ عورتوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں۔ مگر ان کے حقوق چھینے کس نے ہیں؟ کیا عورتوں نے اپنے

ہاتھ سے ہی اپنے حقوق کی جڑ پر کلہاڑا نہیں مارا جبکہ انہوں نے اپنے شکم سے حقوق چھیننے والے غاصب پیدا کر دیئے؟ جبکہ انہوں نے ان غاصبوں کو پنگوڑے سے ہی انسانیت کی تعلیم سے محروم رکھا۔ ورنہ ممکن نہیں تھا۔ کہ وہ بچے جن کا ایک ایک عضو ماتا کے دودھ وغیرہ سے بنا ہو۔ وہ جننی کے حقوق کو پائمال کرنے کے لئے آمادہ ہوتے۔ ہماری ماتائیں محض دودھ پلانا جانتی ہیں۔ مگر دودھ کے ساتھ ساتھ وہ بچے کے اندر اُس امرت کو داخل نہیں کرتیں۔ جو کہ اس کی آیندہ زندگی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ دودھ کا زمانہ دو ڈیڑھ برس میں ختم ہو جاتا ہے۔ مگر دودھ کے ساتھ پلایا ہوا زہر یا امرت زندگی بھر اپنا مزہ چکھاتا رہتا ہے۔ مبارک تھیں سپارٹا کی ماتائیں جو اس بھید کو سمجھتی تھیں! اس جملہ معترضہ کو چھوڑ کر ہم پھر نفس مضمون کی طرف آتے ہیں۔

ابتدائی امتحان

ہم اپنے گذشتہ آرٹیکل میں یہ دکھا چکے ہیں۔ کہ لائیکرگس نے لڑکیوں کی تعلیم اور ان کے بیاہ شادی کے بارے میں کیسے قواعد و قوانین باندھے تھے۔ یہ ان ہی قوانین کی بدولت تھا۔ کہ سپارٹا میں زناکاری کی بیخکنی ہو گئی تھی۔ یہ لڑکیوں کی تعلیم ہی تھی۔ جو کہ ان کو مرد "پیدا" کرنے میں مددگار ہوتی تھی۔ لڑکے کیونکر مرد "بنائے" جاتے تھے۔ اس کے لئے لائیکرگس نے علیحدہ قوانین جاری کئے تھے۔ آج ہم زیادہ تر اسی بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

جب سپارٹا میں کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تھا۔ تو دایہ کا یہ فرض تھا۔ کہ وہ دیکھے۔ آیا بچہ صحیح و سالم ہے یا نہیں۔ بعد ازاں دایہ اس کو بجائے پانی کے شراب سے نہلاتی تھی۔ تاکہ بچہ کی تندرستی کا صحیح صحیح اندازہ لگ سکے۔ اگر بچہ توانا ہوتا تھا۔ تو وہ بچ جاتا تھا۔ اور اسکو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچتا

تھا - اگر کمزور ہوتا تھا - تو بھی فوراً پتہ لگ جاتا تھا - بعض اوقات کمزور بچے اس عمل سے مر بھی جاتے تھے - اُن کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے حکم تھا کہ والدین فوراً اُن کو اُس کمیٹی کے ہاں پیش کریں - جو کہ بچوں کی غور و پرداخت کے لئے ریاست کے بڑے بڑے بوڑھے اور تجربہ کار انسانوں سے بنی ہوئی تھی - کمیٹی اِس بچے کی لمبائی چوڑائی - وزن - قد و قامت کا ملاحظہ کرتی تھی - اگر وہ بالکل توانا و تندرست اور ہر ایک عضو میں مکمل نکلتا تھا - تو اس کی تعلیم و تربیت کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے خرچ اخراجات کا انتظام کر دیا جاتا تھا - اگر وہ کمزور یا مریل ہوتا تھا - تو کمیٹی کے حکم سے اس کو کوہ ٹیگٹیس کے نزدیک ایک غار میں پھینکدیا جاتا تھا جہاں پر کہ وہ بعض مورخین کے خیال کے مطابق تباہ ہو جاتا تھا - اس طرح ملک میں کمزور بچے پیدا ہو کر کمزور نسل کے بڑھانے میں مددگار نہیں ہوتے تھے - مگر ہم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں - کہ لائیکرگس جیسا رحم دل انسان جو کہ اپنے آنکھ پھوڑنے والے نوجوانوں کے ساتھ بھی نہایت ہی برادرانہ شفقت سے پیش آتا تھا - سینکڑوں معصوم بچوں کو مروا ڈالنے کا موجب ہوا ہو - قیاس چاہتا ہے کہ کمزور بچوں کو پہاڑ کی غار میں تباہ ہونے کے لئے نہیں پھینک دیا جاتا تھا - بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کا علیحدہ طور پر انتظام کیا جاتا تھا - یہ سختی اگر اس کو سختی کے نام سے پکارا جا سکتا ہو - اس لئے روا رکھی گئی تھی - تاکہ ماتا پتا اُن تمام قوانین کی پابندی کریں - جو کہ مضبوط اولاد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں - اور اُن تمام خرابیوں سے اپنے آپ کو بچائیں - جن کی وجہ سے اولاد کمزور اور مریل پیدا ہونیکا احتمال ہو - یا بالفاظ دیگر وہ شادی شدہ حالت میں بھی اپنے برہمچریہ کا پورا پورا خیال رکھیں - تاکہ کمزور اولاد پیدا نہ ہونے پاوے - علاوہ ازیں اس قسم کے کسی ڈراوئے قانون سے جو کہ

لوگوں پر محض ایک دباؤ ڈالنے کے لئے ہی رکھا گیا تھا۔ ماتا پتا کو خود بھی اس بات کا ہردم خیال رہتا تھا۔ کہ وہ اپنے جسموں کو مضبوط بنائیں اور مضبوط ہی رکھیں۔ تاکہ وہ مارے جانے کے لئے کمزور بچّے پیدا نہ کریں۔ غرض جب بچّے کی پیدائش پر اس کے جسم کا ملاحظہ ہو چکتا تھا۔ تو اس کی تربیت کے لئے تعلیمیافتہ۔ تندرست۔ صحیح الجسم دایہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کی جاتی تھی۔ جو کہ بچّے کی ابتدائی تعلیم اور جسمانی صحت کا ہر طرح دھیان رکھتی تھی۔ وہ بچّے کو اس کے ہوش سنبھالنے پر زیادہ تر ان باتوں پر زور دیتی تھی۔ کہ وہ نر بھے ہوں۔ اندھیرے میں جانے سے بھی نہ ڈریں۔ غصہ ہونے اور کڑھنے سے بالکل پرہیز کریں۔ موٹی جھوٹی خوراک کھائیں۔ بچوّں کا رونا سپارٹا میں نہایت ہی مکروہ خیال کیا جاتا تھا۔ دایہ اس بات کا خاص دھیان رکھتی تھی۔ کہ بچّہ کبھی بھی رونے یا روٹھنے نہ پاوے۔ سپارٹن دایہ نہایت ہی مہذب اور سوشیل ہوتی تھی۔ اور وہ بچوّں کو ایسے عمدہ طریقہ سے پرورش کرتی تھی۔ جیسا کہ ایک تعلیم یافتہ ماتا کو کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی شہرت کا سکہ اردگرد کے ملکوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ چنانچہ اردگرد کی ریاستوں کے امیر و وزیر اور شہنشاہ تک بھی اپنے بچوّں کی تربیت کے لئے سپارٹا سے دایہ بلاتے تھے۔ دایہ کے ذریعہ بچوّں کی پرورش کروانا اٹکل پچو نہیں تھا۔ بلکہ اصولوں پر مبنی تھا۔ لائیکرگس کا خیال تھا۔ کہ بچّہ جننے کے بعد ماتا قدرتاً کمزور ہو جاتی ہے۔ اس کو حتی المقدور پورا پورا آرام ملنا چاہیئے تاکہ اس کا کمزور جسم ازسرنو مضبوط ہو کر دوسری دفعہ توانا و تندرست بچّہ پیدا کرنیکے لایق ہو سکے۔ یہ مضبوطی اس صورت میں قطعی ناممکن ہے۔ اگر ماتا بچّہ کو خود ہی دودھ پلاتی رہے۔ ہمارے ملک میں کمزور بچّے زیادہ تر اس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ چھوٹی عمر میں شادی کر دیجاتی ہے

اس پر طرہ یہ کہ لڑکپن کا زمانہ گذرنے سے پیشتر ہی لڑکی کو ماتا بننا پڑتا ہے۔ یہ بھی سہی۔ مگر اس کی رہی سہی طاقت بچے کو دودھ پلانے میں چلی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جہاں وہ خود بہت جلد کمزور ہو جاتی ہے۔ وہاں اس کے بعد اولاد بھی پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ بھی مریل ہی ہوتی ہے۔ رشی دیانند نے بچوں کی پرورش کے بارے میں سخت تاکید کی ہے۔ کہ بچہ کو چھ دن تک ماتا کا دودھ پلا کر دایہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو۔ اور دایہ نہ رکھ سکے تو وہ گائے اور بکری کے دودھ میں عمدہ ادویات کو جو کہ عقل۔ ہمت۔ صحت بڑھانیوالی ہوں صاف پانی میں بھگو کر جوش دینے کے بعد چھان کر دودھ میں ہموزن ملا کر بچہ کو پلاویں۔ آجکل یورپ امریکہ وغیرہ میں زیادہ تر اسی طریقہ پر بچوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہاں ماتائیں جلدی کمزور نہ ہونیکی وجہ سے اچھے مضبوط بچے پیدا کر سکتی ہیں۔ لائیکرگس نے یہ قانون ماتاؤں کی صحت کو قائم رکھنے بنابریں تندرست اولاد پیدا کرنیکے لئے جاری کیا تھا ٭

بچپن کی تعلیم

بچے سات سال کی عمر تک ماتا پتا کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کے بعد کوئی شخص بھی اپنے بچے کو گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ بلکہ ان سب کو درسگاہ میں بھیجدیا جاتا تھا۔ جہاں ان کی تعلیم و تربیت کا تمام انتظام گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ بچوں کو علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں منقسم کر کے ان میں سے جو لڑکا سب سے زیادہ تیز۔ ہوشیار۔ سوشیل اور فرمانبردار ہوتا تھا۔ اس کو جماعت میں کپتان مقرر کر دیا جاتا تھا۔ سن رسیدہ آدمی بچوں کی خاص نگرانی کرتے تھے۔ تعلیم کا یہ حال تھا۔ کہ انُ کو صرف وہی باتیں سکھائی جاتی تھیں جو کہ ان کی آیندہ زندگی کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ باقی فضول باتوں پر ان کا وقت صرف نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ سپارٹا چاروں طرف سے

دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس لئے لائیکرگس اس بات کو ازبس ضروری سمجھتا تھا۔ کہ وہ سپارٹا کی آیندہ نسلوں کو زمانہ کے سرد و گرم کو برداشت کرنیکے لائق بنا دے۔ چنانچہ ان بچوں کو زیادہ تر اس بات کی تعلیم دی جاتی تھی کہ وہ حکومت فرمانبرداری۔ جفاکشی۔ محنت۔ جنگ و جدل اور کامیابی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ یہی چیزیں ان کی زندگی کا جزو اعظم ہونی چاہئیں۔

بسیط تجربہ

ان کو جفاکش بنانے کے لئے جو جو قوانین تھے۔ وہ بڑے ہی دلچسپ تھے۔ پاؤں میں جوتا پہننا قانوناً بند تھا۔ سب بچے ننگے پاؤں ہی چلتے پھرتے اور اپنی تمام کھیلوں میں ننگے پاؤں ہی حصہ لیتے تھے۔ سر کے بال بہت چھوٹے چھوٹے رکھتے تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اُن کی پوشاک میں خاص تبدیلی کی جاتی تھی۔ کرتہ وغیرہ کی بجائے ایک ہی چوغہ دیدیا جاتا تھا۔ اُن کو شوقینی کی عادت نہیں ڈلوائی جاتی تھی۔ خاص خاص دنوں میں ان کو جسم پر تیل مل کر نہانے کی اجازت ہوتی تھی۔ باقی دنوں میں وہ اس قسم کی چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جسم زیادہ تر کھردرے نظر آتے تھے۔ وہ سب کے سب اپنی اپنی جماعتوں کے لحاظ سے راتکو سوتے تھے۔ سونے کے لئے گدیلے یا نرم نرم بچھونے یا لچکدار چارپایاں نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ وہ دیا ر تھیوں کا بستر زمین پر ہوتا تھا جس پر سرکنڈے یا اسی قسم کی دوسری گھاس کا بچھونا ہوتا تھا۔ یہ گھاس وہ اپنے ہاتھوں سے بغیر کسی قسم کے اوزار کے دریائے یوریٹس کے کنارے سے جمع کر کے لے آتے تھے۔ سردی کے دنوں میں بعض جھاڑیوں کی نرم نرم چھال ان کو نیچے بچھانے کے لئے مل جاتی تھی تاکہ سردی سے بچاؤ رہے۔ اُن کے سر پر ان کے بزرگ ادھشٹاتا برابر موجود رہتے تھے۔ جو کہ ان کی کھیل کود۔ ان کی طاقت آزمائی۔ اُن کی آپس کی بات چیت۔ دل لگی وغیرہ کو معمولی طور پر نہیں بلکہ بطور پیتا کے

بطور محافظ کے اور بطور اتالیق کے دیکھتے رہتے تھے۔ ان میں سے جو جو ودیارتھی سب سے اچھے اور شوشیل ہوتے تھے۔ وہ اپنے ادھشٹاتاؤ کے نزدیک زیادہ عزت پاتے تھے۔ شہر کے آدمیوں میں سے ایک ایسے شخص کو جو کہ نہایت ہی لئیق اور نہایت ہی عمدہ ہوتا تھا۔ ان ودیارتھیوں کی پریکشا کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ ادھشٹاتا لوگ ہر وقت ودیارتھیوں کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ ان کے نقائص پر ان کو سرزنش کرتے تھے۔ اور اُن کے محاسن پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جو بڑے ودیارتھی ہوتے تھے۔ وہ جنگل سے ایندھن لاتے تھے۔ اور جو چھوٹے ہوتے تھے۔ وہ ساگ پات جمع کرتے تھے۔ اُن کی خوراک بہت ہی سادہ اور بہت تھوڑی ہوتی تھی۔ تاکہ اگر کبھی موقع پڑے تو وہ بھوک کو برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔ اور کھانا نہ ملنے پر گھبرا نہ جائیں۔ مگر کم خوراک دینے میں لائیکرگس ایک اور ہی بات کو مدنظر رکھتا تھا۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ زیادہ اور لذیذ خوراک کھانے سے حیوانی جذبات بھڑکتے ہیں۔ جسم بجائے لمبا ہونیکے موٹا اور بھدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس بوجھ کو کم کر دیا جاوے تو وہ سیدھا بڑھ نکلتا اور خوبصورت شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ ملک میں موٹے اور بھدّے انسانوں کی بجائے لمبے اور لچک دار نوجوان پیدا کرنے چاہئیں۔ جو کہ قدرت کی ہر ایک بات کا مقابلہ کر سکیں۔ اسی بنا پر اس کا یہ بھی خیال تھا۔ کہ جو عورتیں حمل کی حالت میں دوائیں استعمال کرتی رہتی ہیں۔ اُن کے بچّے بڑے نازک اور لچکیلے ہوتے ہیں۔ لچکیلا جسم مخالف طاقتوں کا زیادہ عمدہ طور پر مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر یہ ایسے خیالات ہیں۔ جن پر ہم اس وقت کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے +

عجیب تعلیم

مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ لائیکرگس نے بچوں کی تعلیم میں ایسی باتیں بھی لازمی رکھی تھیں جن کو اگر صحیح باور کر لیا جاوے۔ تو بے اختیار مسکراہٹ کے علاوہ حیرانی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ مثلاً بچوں کو ایسے داؤگھات سکھائے جاتے تھے۔ کہ وہ بغیر دیکھے جانیکے چیز کو لیکر چمپت ہو جاتے تھے۔ جو لڑکا اس قسم کی چوری کرتا ہوا پکڑا جاتا تھا۔ وہ بہت نالائق سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے نہیں۔ کہ اس نے چوری کی۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس فن میں ابھی اتنا اناڑی ہے۔ کہ وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ اس اناڑی پن کی اس کو یہ سزا ملتی تھی۔ کہ اس کو کئی دن تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں دیا جاتا تھا۔ اور اس کو حکم ہوتا تھا۔ کہ وہ اپنے اس "نقص" کی اصلاح کرے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک ودیارتھی نے ایک دفعہ کسی باغ میں لومڑی کو پکڑ کر اپنے چوغہ کے نیچے چھپا لیا۔ مبادا اس کو کوئی دیکھ لے وہ چپکے سے وہاں سے چل دیا۔ لومڑی نے اپنے دانتوں اور پنجوں سے لڑکے کی انتڑیاں نکال ڈالیں۔ مگر اس نے اف تک نہیں کی۔ ایسا نہ ہو کہ راز کھل جائے اور وہ نالائق ثابت ہو۔ اس نے مر جانا منظور کیا مگر اس چوری کے مال کا کسی کو پتہ نہیں لگنے دیا۔ لائیکرگس کی یہ تعلیم بڑی بھدی نظر آئیگی۔ لیکن ان مصائب کو دیکھکر جنمیں کہ سپارٹا اس وقت مبتلا تھا۔ اور یہ جانکر کہ سپارٹا کو اردگرد کی ریاستوں نے کیونکر گھیر رکھا تھا۔ اور کیونکر وہ اس کی ہستی کے درپے تھیں۔ لائیکرگس ضروری سمجھتا تھا۔ کہ اپنے ملک کے نوجوانوں کو اپنے ملک کی حفاظت کیلئے ہر ایک قسم کے داؤگھات میں ماہر کر کے ان کو محنت و جفاکشی کا عادی بنا دے۔ یہی تعلیم تھی جس نے سپارٹا کے نوجوانوں میں وہ روح پھونک دی تھی۔ کہ وہ موت کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اور ملک و قوم کے لئے مرجانا اُن کے نزدیک ایک معمولی سی بات ہوتی تھی*

بات چیت

رات کو جب تمام ودیارتھی بھوجن پا چکتے تھے تو ان میں سے ایک کو حکم ہوتا تھا۔ کہ وہ قومی گیت گا کر سنائے۔ بعض ودیارتھیوں سے عجیب و غریب سوال کئے جاتے تھے۔ جس سے ان کی عام واقفیت کا اندازہ لگانا مقصود ہوتا تھا۔ جوابات معہ وجوہات ہوتے تھے۔ اور بہت تھوڑے الفاظ میں ادا کئے جاتے تھے۔ کیونکہ لائیکرگس کا حکم تھا۔ کہ کوئی ودیارتھی فضول بکواس نہ کرنے پائے۔ چنانچہ جو ودیارتھی بہت ہی کم الفاظ میں مطلب کو ادا کر دیتا تھا۔ اس کی بڑی تعریف ہوتی تھی۔ لائیکرگس خود بھی بہت ہی کم گو تھا۔ مگر وہ جب بولتا تھا مطلب کی بات ہی بولتا تھا۔ اور بہت تھوڑے الفاظ میں اس کو ادا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے لائیکرگس سے درخواست کی۔ کہ آپ ایک ایسی گورنمنٹ قایم کریں۔ جو ہر دلعزیز ہو۔ لائیکرگس نے جواب دیا "جاؤ! پہلے پریوار کی خبر لو" کیسا عاقلانہ اشارہ تھا۔ جو شخص پریوار میں ہر دلعزیز نہیں۔ وہ ملک پر کیا حکومت کریگا۔ اور کیونکر ہر دلعزیز ہو سکتا ہے۔ دوسرے موقعہ پر کئی لوگوں نے آپ سے سوال کیا۔ کہ پہلے ہم دیوتاؤں پر بڑے بڑے قیمتی چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ مگر کیا وجہ ہے۔ کہ آپنے بیش قیمت قربانیوں کو بند کر کے کم قیمت چڑھاوے کا قانون بنا دیا ہے" "تاکہ ہم ہمیشہ ہی چڑھاوا چڑھاتے رہیں" لائیکرگس کے اس جواب میں بھی ایک صداقت پوشیدہ ہے۔ ہم اپنے دشمنوں سے اپنا بچاؤ کیونکر عمدہ سے عمدہ طریقہ پر کر سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں لائیکرگس نے کہا "ہمیشہ غریب رہنے اور مقبوضات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش نہ کرنے سے" جب لوگوں نے لائیکرگس سے استدعا کی۔ کہ سپارٹا کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد فصیل بنا دینی چاہیئے۔ تو اس نے جواب دیا "شہر وہی محفوظ ہے۔ جس کے

ارد گرد بجائے اینٹوں کی دیوار کے بہادروں کی دیوار ہو"۔ لائیکرگس کے بھتیجے سے ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ آپ کے چچا نے ملک کے لئے بہت تھوڑے قوانین بنائے ہیں۔ لڑکے نے جواب دیا۔ تھوڑے الفاظ والوں کے لئے چند قوانین ہی کافی ہیں"۔ ایک دفعہ ایک بکواسی آدمی نے ڈیمارہٹیس کے سامنے آکر بڑی لمبی چوڑی بات چیت اور مختلف سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا۔ ڈیمارہٹیس تنگ آگیا۔ آخرکار جب اس شخص نے سوال کیا۔ کہ سپارٹا میں سب سے اچھا آدمی کون ہے؟" تو اس کو جھٹ جواب ملا۔" جو تمہارے جیسا نہ ہو"۔ غرضیکہ لڑکوں کو بلا مطلب بات کرنے سے روکا جاتا تھا۔ اور جہاں تک ہوسکتا تھا۔ بہت تھوڑے الفاظ میں مطلب ادا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ عربی میں اس مطلب کو خیر الکلام ماقلّ و دلّ سے ادا کیا گیا ہے۔ یعنی عمدہ بات وہ ہوتی ہے۔ جو مختصر و بادلیل ہو۔ اہل سپارٹا یا لیسیڈومینیز (Lacedaemonians) کے اس طرز گفتگو سے ہی لیکونیزین (Lakoniezein) کا لفظ مشہور ہے۔ ہر ایک ایسی تقریر کو جو قلّ و دلّ ہو لیکونیک (Laconic) کہا جاتا ہے۔ تقریر کے علاوہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ لڑکوں کو تکلیف برداشت کرنیکا بڑا عادی بنایا جاتا تھا۔ اگر کوئی لڑکا تکلیف کے وقت گھبراہٹ کا اظہار کرتا تھا۔ تو اس کو بہت ہی بزدل سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کی اس گھبراہٹ کا اثر نہ صرف اس پر ہی ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے ادھشٹاتا کو بھی سرزنش ہوتی تھی۔ کہ اس کی زیر نگرانی لڑکے میں یہ بری عادت کیوں آئی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جبکہ دو طرف سے لڑکوں کی آزمائشی لڑائی ہو رہی تھی۔ ایک لڑکے نے چوٹ کھا کر" ہائے" کا لفظ منہ سے نکال دیا۔ مجسٹریٹ نے اس جماعت کے ادھشٹاتا کو جس میں کہ وہ لڑکا پڑھتا تھا۔ باقاعدہ عدالت میں حاضر ہونیکا حکم دیا۔ اس پر فرد جرم لگایا گیا۔ اور اس بات کے لئے کہ اس کی زیر

نگرانی لڑکے نے "ہائے" کا بزدلانہ لفظ کیوں سیکھا۔ اور کیوں کہا۔ ادھنشاٹا تا پر جرمانہ کر دیا *

ایثار کی زندگی

غرضیکہ مذکورہ بالا قواعد کے مطابق لڑکوں کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ تیس سال کی عمر تک ان میں سے کسی کو بھی بازار میں جانیکی اجازت نہیں ملتی تھی۔ اُن کی تمام ضروریات اُن کے محافظ پورا کرتے تھے۔ سپارٹا کا ہر ایک فرد یہ خیال کرتا تھا۔ کہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے ملک کے لئے جیتا ہے۔ خود غرضی سے بڑھکر اُن کے نزدیک کوئی دوسرا عیب نہیں تھا۔ ایک دفعہ ایک خاص عہدے کے لئے پائیڈرس امیدواروں میں سے تھا۔ مگر وہ ان تین سو آدمیوں میں نہ آسکا۔ جو کہ اس عہدے کے لئے امیدوار تھے۔ اس پر بجائے مایوس ہونیکے وہ خوش ہوا۔ کہ مجھ سے بہتر تین سو آدمی سپارٹا میں موجود ہیں۔ اسی طرح جب ایک دفعہ سپارٹا کے ایلچی شاہ فارس کے دربار میں کسی خاص مقصد کیلئے گئے۔ تو بادشاہ نے پوچھا "کہ تم اپنے لئے آئے ہو۔ یا اپنی قوم کے لئے" سفیروں نے جواب دیا "اگر ہم کامیاب ہوئے تو قوم کے لئے۔ اگر ناکامیاب رہے تو اپنے لئے"۔ غرضیکہ اُن کے رگ و ریشہ میں ملک کی محبت بھری ہوئی تھی۔ اور یہ سب اس تعلیم کا نتیجہ تھا۔ جس کا کہ اوپر ذکر کیا گیا *

سمندر یاترا

لڑکوں تعلیم کے علاوہ لائیکرگس نے ملک میں یہ قانون بھی جاری کر رکھا تھا۔ کہ سپارٹا کا کوئی آدمی سمندر یاترا نہ کرے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ اگر سپارٹا والے دوسرے ممالک میں سفر یا تجارت کا سلسلہ شروع کرینگے۔ یا دوسرے ممالک کے لوگ سپارٹا میں آئینگے۔ تو سپارٹا والے ان کی بری عادتوں کو سیکھ لینگے اور تباہ ہو جائینگے۔ قیاس چاہتا ہے۔ کہ ہندوؤں کو بدلیش یاترا سے منع

کرنیوالے لوگوں نے بھی اسی دلیل سے کام لیا ہوگا۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ لائیگرگس نے سیاحت ہند میں اس بات کا بھی یہاں مطالعہ کیا ہو۔ گو ہمارے پاس کوئی ایسی تواریخی شہادت نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ لائیگرگس کے زمانہ میں ہندو لوگ سمندر یاترا نہیں کرتے تھے۔ تاہم منوسمرتی کے دوسرے ادھیائے کے چوبیسویں شلوک میں آریہ ورت سے باہر جانیوالوں کو شودر کی مانند خیال کیا گیا ہے۔ اور تاکید کی گئی ہے کہ:۔

एतान द्विजातयो देशान संश्रयेरन प्रयत्नतः

शूद्रस्तु यस्मिन्कस्मिन्वा निवसेद्वृत्ति कर्शितः

دوجاتیہ یعنی برہمن۔ کھشتری۔ ویش کو چاہئے۔ کہ اسی دیش میں نواس کریں۔ شودر چاہے کسی دیش میں خواہشات کے پیچھے مارا مارا پھرا کرے۔ مگر اس کے ساتھ والے شلوک پر جب ہم نظر مارتے ہیں۔ تو پتہ لگتا ہے کہ منو مہاراج کے نزدیک دوجاتیہ لوگوں کے رہنے اور یگیہ کرنیکے لایق وہی دیش ہو سکتا ہے:۔

कृष्णसारस्तु चरति मृगो यत्र स्वभावतः

स ज्ञेयो यज्ञियो देशो म्लेच्छदेशस्त्वतः परः

جس میں کہ سیاہ ہرن خوشی سے چرتے پھرتے ہوں جہاں ایسا نہیں ہے۔ وہ ملیچھ دیش ہے۔ اس لحاظ سے تو آریہ ورت اس وقت سب کا سب ہی ملیچھ دیش ہے۔ دوسرے دیشوں اور اس دیش میں اگر کچھ فرق ہے۔ تو صرف یہ کہ یہ دیش زیادہ گر رہا ہے۔ کہاں وہ حالت کہ بقول منو مہاراج

एतद्देशप्रसूतस्य सकाशाद ग्रजन्मनः ॥

स्वं स्वं चरित्रं शिक्षेरेन पृथिव्यं सर्वमानवाः

تمام دنیا کے آدمی اس دیش میں پیدا شدہ برہمنوں سے صنعت و حرفت اور اپنے اپنے چرتروں کی تعلیم کے لئے آویں"! اور کہاں یہ حالت کہ یہاں کے لوگ اور خاص کر برہمن لوگ رسوئیوں یا شودروں کا کام کریں۔ سچ ہے:۔

زمانہ بساط دگرگوں نہاد
شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

جب زمانہ بدل گیا ہو۔ نہیں نہیں۔ جب یہ دیش ہی ملیچھ ہو گیا ہو۔ تو پھر اس سے باہر نکل کر ممالک غیر میں جانے اور وہاں سے علم و ہنر سیکھنے میں کیا ڈر۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ جو لائیکرگس کے بدیش یاترا کے قانون کے مقابلہ میں ہمیں بیان کرنا پڑا۔ مگر اس میں شک نہیں۔ جب تک سپارٹا والے ممالک غیر میں آنے جانے سے بند رہے۔ تب تک وہ ناقابل تسخیر رہے۔ مگر جب ہی وہ غیر ممالک میں اور غیر ممالک کے لوگ سپارٹا میں آنے جانے لگ گئے۔ تب ہی سے ممالک غیر کی برائیاں انہوں نے اخذ کرنی شروع کر دیں۔ جس کا نتیجہ سپارٹا کے حق میں نہایت ہی مہلک ہوا!

عظیم الشان قربانی

جب لائیکرگس اپنے تمام قوانین عمل میں لا چکا۔ تو اس نے کونسل کے ممبروں کو بلا کر کہا۔ کہ کیا تم ان قوانین کو پسند کرتے ہو۔ جو کہ تمہاری بہبودی کا باعث ہوئے ہیں۔ سب نے اسنا و صدقنا کہا۔ بعد ازاں لائیکرگس نے کہا۔ کہ میں ڈلفی کے مندر میں دیوتاؤں سے یہ پوچھنے جاتا ہوں۔ کہ آیا جو قوانین میں نے جاری کئے ہیں۔ وہ ان کو پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ تم سب قسم کھاؤ۔ کہ جب تک میں واپس نہ آؤں۔ تم ان قوانین پر عمل کرتے رہو گے اور کسی کو بھی ترک نہیں کرو گے۔ سب لوگوں نے بڑی سنجیدگی سے قسم

کھاکر کہا۔ کہ جب تک آپ واپس نہیں آئینگے۔ ہم ان تمام قوانین پر دل وجان سے عمل کرتے رہیں گے۔ ان کی قسم لیکر لائیکرگس ڈلفی کے مندر میں گیا۔ اور دیوتا سے پوچھا۔ کہ آیا جو قوانین میں نے سپارٹا میں جاری کئے ہیں۔ وہ عمدہ ہیں یا نہیں۔ اپولو نے جواب دیا ”کہ قوانین نہایت ہی اعلےٰ ہیں۔ ان قوانین پر چلنے سے سپارٹا کا شہر دنیا بھر کے شہروں سے بابرکت رہیگا“

اپولو کے اس فتویٰ کو لکھکر لائیکرگس نے سپارٹا میں روانہ کردیا اور خود گمنام ہوکر قریط کو بھاگ گیا۔ اور وہاں جاکر فاقہ کشی کرتا ہوا مرگیا۔ اور مرتے وقت اپنے پاس والوں کو نصیحت کر گیا کہ میری لاش کو جلا دینا۔ اور اس کی خاکستر کو سپارٹا میں واپس مت لیجانا۔ بلکہ سمندر میں پھینک دینا۔ لوگ کہیں گے۔ کہ لائیکرگس نے خودکشی کرکے بزدلی کا ثبوت دیا۔ مگر یہہ نہیں۔ یہ اپنی قسم کی نرالی قربانی تھی۔ جو لائیکرگس نے اس وقت کی۔ جبکہ وہ ابھی تندرست جوان تھا۔ اس کو کوئی بیماری بھی نہیں تھی۔ تمام ملک اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ آخر اس نے خودکشی کی۔ تو کیوں کی؟ لائیکرگس سپارٹا والوں سے قسم لے چکا تھا۔ کہ جب تک میں واپس نہ آؤں۔ تم نے میرے قوانین کو مت چھوڑنا۔ اور سپارٹا والے دل وجان سے قسم دے چکے تھے۔ کہ جب تک آپ واپس نہیں آئیں گے۔ ہم آپ کے قوانین کی دل وجان سے پیروی کرینگے۔ لائیکرگس نے جو کہ سپارٹا والوں کی بہبودی میں شروع سے لیکر آخر دم تک سرگرم رہا۔ سوچا۔ کہ میری موت بھی سپارٹا والوں کے لئے ایک مثال ہونی چاہیئے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اہل سپارٹا اپنی قسم پر پکے رہیں گے۔ اس لئے اس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ مجھے سپارٹا میں ہرگز واپس نہیں جانا ہے۔ بلکہ اپنے

ہاتھ سے اپنا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اہل سپارٹا کبھی بھی اپنی قسم سے سبکدوش نہ ہونے پائیں۔ اور جن قوانین کی پابندی کے لئے میری واپسی تک وہ وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ برابر اس پر قائم رہیں۔ کیونکہ میں نہ واپس جاؤں۔ اور نہ وہ ان قوانین کو ڈھیلا کریں۔ لائیکرگس نے یہاں تک احتیاط کی۔ کہ اس نے اپنی لاش کو جلا کر اس کی خاک کو سمندر میں بہا دینے کے لئے تاکید کر دی۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ کہیں سپارٹا والے اس کی لاش کو سپارٹا میں واپس لیجا کر یہہ سمجھ لیں۔ کہ لائیکرگس سپارٹا میں واپس آگیا ہے +
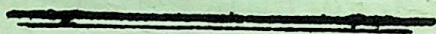
مدار پوجا

"پنڈت سورج پرشاد جی کانپوری کے اس مضمون کو پڑھکر کون شخص ہندوؤں کی جہالت پر افسوس نہیں کریگا۔کاش ہمارے ہندو بھائی جاگیں۔ اور آریہ سماج کی مخالفت کرنیکی بجائے وہ اپنے گمراہ بھائیوں کو جو آئے دن مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ راہ راست پر لانیکی کوشش کریں۔ ایڈیٹر"

بعض صلح پسند اصحاب کا خیال ہے۔ کہ اب آریہ سماج کو دیگر مذاہب کی تردید کرنے کا کام بالکل بند کر دینا چاہیئے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ انسان اپنے فرایض حقیقی کو بخوبی سمجھ گئے ہیں۔ اور حق اور باطل میں تمیز کرنے کا مادہ پیدا ہو چکا ہے۔ لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اب توہمات اور لغویات کو لوگ چھوڑتے جاتے ہیں۔ لائٹ ہوس کی طرح دور افتادہ اقوام کی رہنمائی کا کام کافی طور پر آریہ سماج کے وجود سے ہو رہا ہے۔ دوسری طرف اس کے برعکس آواز آ رہی ہے۔ اور صاف طور پر سنائی دیتا ہے۔ کہ ابھی تک تاریکی دور نہیں ہوئی ہے۔ آریہ سماج کی روشنی محض دوتیہ کے چاند کی مانند ہے۔ ابھی ایک کلا بھی پرکاش نہیں پہنچا۔ لوگ اندھیرے میں ٹھوکر کھا رہے ہیں۔ وہ دیکھو مشرق میں ابھی تک افیون۔ بھنگ۔ چرس کے نشہ میں مخمور ہیں۔ دوست جاؤ بھارت ورش کے اندر ہی نظر دوڑاؤ۔ اسلام اور اہل ہند کی مشترکہ پرستش کو ملاحظہ کرو۔ مانو اور سنو کیا آواز آ رہی ہے۔ اگم دوم۔ دوم

مدار !!! ہیں! یہ کیا ہے - ایک مسافر نے سوال کیا - دوسرا بول اٹھا - یہ ایک نشان ہے - لوگ میلہ مکن پور کو جا رہے ہیں - کیا تم نہیں جانتے کہ یہ زندہ شاہ مدار کا میلہ ہے - میلہ بڑی دھوم دھام سے ہوگا - فصل اچھی ہے - دیکھو نہ کس کثرت سے بھیڑ جا رہی ہے - دوسرا بول اٹھا - کہ میلہ ہندوؤں کا ہے یا مسلمانوں کا - اس آواز کو سُنکر میاں فرخند علی نے تیوری بدلی - ارے میاں! ہندو کیا اور مسلمان کیا - مدار صاحب تو سب کی تمنا پوری کرتے ہیں - مدار صاحب کی برکت سے لاکھوں بے اولاد ہندوؤں کو اولادیں مل گئیں - اندھوں کو بینائی حاصل ہوئی بیمار تندرست ہو گئے مکن دیو کی زیارت سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے - ایک بار جس نے منت مانی اور چڑھاوا چڑھایا - بس اگلے سال اُس کی مراد بر آئی - میاں جی ابھی یہ بیان ہی کر رہے تھے - کہ ایک مرد میدان نے آگے بڑھکر یوں کہا:-

میاں جی! بھلا برا نہ مانو - تو ایک بات میں بھی کہوں -

فرخند علی - تم بھی کہہ لو - کہو تو کیا کہتے ہو - مگر یہ خوب سمجھ لو - کہ زندہ شاہ مدار کی بدولت یہ لاکھوں انسان کھچے چلے آ رہے ہیں - ہمارے پڑوسی پنڈت جی ایک بڑے بزرگ اور خدا رسیدہ شخص تھے - وہ کہا کرتے تھے - کہ کلجگ میں دو ہی تیرتھ ہیں - گنگا اور مدار - سو یہاں تو ہندو اور مسلمان دونوں ہی ایک نظر سے دیکھے جاتے ہیں - مگر تم کچھ کہنے سے پہلے یہ مجھے بتا دو - کہ تم آریہ تو نہیں ہو -

مسافر - نہیں میاں جی - میں آریہ تو نہیں ہوں - مگر میں آپ سے ایک دلیل کرنا چاہتا ہوں - اور وہ یہ ہے - کہ آپ لوگ مدار صاحب کو زندہ شاہ مدار کیوں کہتے ہو - کیا قبر میں سے کبھی کوئی آواز نکلتے سُن پڑی ہے - یا کبھی کوئی اس کے اندر سے ہاتھ پاؤں نکالتے نظر آیا ہے -

فرخند علی - بس، بس!! تم ضرور آریہ ہو - ہمارے ہاں بھی ایک آریہ ہو گیا

تھا۔ اب اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مدار صاحب کی توہین کرنے سے وہ تباہ ہو گیا۔ اب تک بے اولاد ہے۔

مسافر۔ میاں جی! تو کیا وہ مدار صاحب کو گالی دیتا تھا۔

فرخند علی۔ گالی تو نہیں دیتا تھا۔ مگر تمہاری طرح وہ بھی دلیلیں کرتا تھا۔

مسافر اور فرخند علی آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک لمبی دھوتی والا جھپٹ کر آگے ہو گیا۔ اور بول اٹھا۔

بھائی! انہیں بکنے دو۔ یہ تو پاگل ہو گئے ہیں۔ لاکھوں آدمی سینکڑوں کوس سے آ رہے ہیں۔ اور لاکھوں کا خرچ اٹھا رہے ہیں۔ مدار باوا میں کچھ کرامات نہ ہو۔ تو یہ سب کیوں دوڑے آویں۔

فرخند علی۔ ہاں سچ ہے۔ یہ دیکھو یہ بھی ہندو ہے۔ بلکہ براہمن ہے۔ جو سب ہندوؤں میں بزرگ مانے جاتے ہیں۔ کیوں مہاراج سچ ہے نہ۔

برہمن۔ ہاں میاں جی اس میں کیا جھوٹ ہے۔ جیسے مسلمانوں میں سید ویسے ہندوؤں میں ہم۔ سو ہم لوگ جب مدار باوا کو پوجتے ہیں۔ تو ان شودروں کی کیا اصل۔ یہ تو ہم لوگوں کے خدمتگار ہیں۔ دھرم کرم کی انہیں کیا خبر یہ تو دیانندی پنتھ میں پھنس گئے ہیں۔ نہ دیوی مانتے ہیں نہ دیوتا۔ بھلا مدار باوا کو بھی جس نے نہ مانا۔ وہ تو میاں ناستک ہے۔ ہمارے تو برس بھر کے لڑکوں کے سنسکار مدار باوا کی درگاہ میں ہی ہوا کرتے ہیں۔ پرسال ہم نے تین لڑکے درگاہ میں منڈوائے تھے۔ اور چار دیکھو اب کے سال لائے ہیں۔ اور مدار باوا نے مہربانی کی تو اگلے سال پانچ لڑکے منڈوانے لاؤنگا۔ اور دو کا "کن چھیدن" بھی درگاہ میں ہی کرواؤنگا۔

فرخند علی۔ کیوں نہیں بفضل خدا ضرور آپ کی مراد بر آئیگی۔ اچھا اب میں تو جاتا ہوں۔ پنڈت جی آپ ان کو سمجھائیے۔ سلام۔

میاں جی جوں ہی سلام کرکے آگے بڑھے۔ توں ہی ان کا نوکر ملا۔

نوکر۔ آپ ذرا جلدی گھر چلیئے۔

فرخند علی۔ کیوں! کیوں! خیر تو ہے!

نوکر۔ ہاں خیر تو ہے۔ کچھ ہندو ضلع ہردوئی کی طرف سے آئے ہیں۔ اُن کے ساتھ بہت سی عورتیں اور کئی ایک پنڈت ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہاں کبوتر اور مرغیوں کی جگہ ہے۔ میلا پڑا ہے۔ یہاں رسوئی کیسے بنائینگے

فرخند علی۔ بس یہی کام تھا! اسی لئے تو ہانپتا دوڑا آرہا ہے؟ عجب بیوقوف ہے۔ ان سے کہہ نہ دیا کہ یہاں مدار صاحب کے دربار میں چھوت چھات اور پرہیزگاری کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں ہوش درست ہو جائینگے۔ نادر علی کے مکان کو دیکھتے۔ تو ہمارے مکان کو بہشت خیال کرتے۔ تم نے اُن میں سے ایک پنڈت کو لیجا کر گلی والے مکان کو دکھلایا ہوتا۔ بوچڑ خانہ سے جب وہ گوشت کی بدبو سے گھبراتے۔ تو پھر اس مکان کو فوراً پسند کر لیتے۔

ہدایت رسول۔ کیا ہے فرخند علی؟

فرخند علی۔ اجی ہے کیا۔ کچھ باہمن آگئے ہیں۔ وہ مکان گندہ بتلاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ یہاں تو مرغیوں نے گندہ کر رکھا ہے۔

ہدایت رسول۔ ارے میاں بکنے دو۔ ہمارے ہاں بھی ایک باہمن ٹھہرا تھا۔ صبح جب وہ اٹھا۔ تو اس نے چھت پر کھڑے ہو کر بوچڑ خانہ کی طرف نظر ڈالی۔ وہاں اسے ایک گائے ذبح ہوتے نظر پڑ گئی۔ تو بہت گھبرایا مگر جب میں نے بتایا۔ تم نہیں جانتے۔ یہ مدار صاحب کا دربار ہے۔ یہاں تعصب سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ بڑے بڑے پنڈت لوگ یہاں اپنے لڑکوں کا "منڈنا" اور "کن چھیدنا" کروانے آتے ہیں۔ ہم لوگوں کے ہاتھ کے پکے چاول لیجاتے ہیں۔ اور ہمارے ہاتھ کے پانی کو لیکر منہ میں

آنکھوں اور زبان پر لگاتے ہیں۔ چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ شاہ مدار کی درگاہ سے تبرک لیجاتے ہیں۔ ہم لوگوں کے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔ یہاں تو پرہیزگاری گناہ ہے۔ بس سمجھ گیا اور بول اٹھا۔ کہ ہاں صاحب ٹھیک ہے ہمارے جگن ناتھ جی پر بھی ایسا ہی ہے۔ وہاں بھی سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ اور کچھ چھوت چھات نہیں مانتے۔ چلو میں سمجھا دوں۔ ان بیوقوفوں کو سمجھانا کیا مشکل ہے۔ یہ تو آسان ہے۔ مگر ان آریوں کا بُرا ہو۔ یہ بڑے دلیل باز ہوتے ہیں۔ انہوں نے بڑی گمراہی پھیلا رکھی ہے۔ خدا انہیں غارت کرے +

فرخند علی۔ آریہ کیا کر سکتے ہیں!! آریہ کہیں لاکھوں میں ایک بھی تو نہیں ہے۔ اور سوائے بک بک کرنیکے انہیں اور آتا ہی کیا ہے۔ ہماری انجمن اسلامیہ وہ کام کر رہی ہیں۔ جو آریوں سے سو برس میں بھی نہیں ہو سکیگا۔ کون ایسا شہر ہے۔ جہاں ہر مہینے ایک دو ہندو اسلام کی برکت سے فیضیاب نہیں ہوتے۔ اور آریہ کہیں دو سال میں دو مسلمانوں کو آریہ بنا پاتے ہیں۔ سو بھی نو مسلم کو +

یہ لوگ یوں بڑبڑاتے گھر کی طرف چلدیئے۔ اور میلے والے میلے کی طرف۔ میلے میں ایک شخص بول اٹھا۔

ارے کیوں بکتے ہو۔ بھائی یہ مسلمان وہی ہیں۔ جنہوں نے تمہارے باپ دادا کی درگت کی تھی۔ دیکھو راجہ شو پرشاد کی بنائی ہوئی اتہاس تمر ناشک میں کیا لکھا ہے۔ کہ مسلمانوں نے ۲۴ مرتبہ متھرا کو لوٹا۔ سومناتھ کا مندر توڑا۔ مندروں میں بُرے بُرے کام کئے۔ تیرتھوں پر جزیہ مقرر کر دیا۔ حجامت بنانا تک بند کر دیا۔ دھک دھک ہے نہیں۔ جو تم ان کے مردوں کی قبریں پوجو۔ شرم کی بات ہے +

برہمن۔ ہمیں کیوں دھتکار دیتے ہو۔ کیا ہم ہی پوجتے ہیں ضلع بھرائچ

ہیں لاکھوں برہمن۔ کھشتری تعزیہ بناتے ہیں۔ اور سید سالار کو پوجتے ہیں اجمیر
میں۔ لکھنؤ میں۔ کاشی۔ گورکھپور میں۔ گوالیار اور امروہہ میں اسی طرح سینکڑوں
شہروں میں ہندو لوگ مسلمانوں کی قبروں کو پوجتے ہیں۔ اسی پرکار تینوں ہندو
آپس میں گپ شپ لڑاتے جارہے تھے۔ کہ اتنے میں ایک چوتھا آدمی آگیا +

چوتھا آدمی۔ کیوں صاحب آپ کیا بحث کر رہے ہیں میں بھی سننا چاہتا ہوں
تیسرا۔ آپ کیا سنینگے۔ آپ تو پڑھے لکھے ہو۔ ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔ یہی ذکر
ہے کہ ہندوؤں کی عجیب حالت ہے ہمیں نے دو تین دن ہوئے۔ کانپور میں
ایک برہمن کو دیکھا۔ اگرچہ وہ آپس کے ہی آدمی تھے۔ مگر ان کا حال کہتے ہوئے
شرم معلوم ہوتی ہے۔ مگر آپ سے کہہ دیتا ہوں۔ کانپور میں ایک ہندو تھا۔
وہ ذات کا آہیر تھا۔ ایک دن پنڈت شنکر لال کے ہاں چارپائی پر بیٹھ گیا
پنڈت جی نے اس کو بہت ڈانٹا۔ اور اس کا پڑوسی ایک چمار جواب مسلمان
ہو گیا ہے۔ عید کو اور مسلمانوں سے بڑھ کر قربانی کرتا ہے۔ وہ ایک کریں
تو وہ دو کرنیکا حوصلہ رکھتا ہے۔ پہلے اس کا نام گھسیٹا تھا۔ اب وہ رحیم
بخش کہلاتا ہے۔ سو وہ رحیم بخش جب پنڈت جی کے پاس آتا ہے۔ تو جھٹ
اسے چارپائی پر بٹھا کر گھنٹوں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ جب تک وہ ان
کے رشی منیوں کو مانتا تھا۔ ماس نہیں کھاتا تھا۔ پشو بدھ نہیں کرتا تھا۔
تب تک تو وہ چھوت تھا۔ اور جب سے اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ اور گائے
کی قربانی کرنے لگ گیا تب سے وہ پاک ہو گیا +

چوتھا۔ ارے بھائی۔ ہندوؤں کی مت کہو۔ ہم بھی اسی کانپور کے رہنے
والے ہیں۔ ہم نے تو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ ہندوؤں کی سینکڑوں
بیوہ عورتیں جو برہمنوں کی اور دیگر اونچی قوموں کی ہیں۔ گانے اور ناچنے
کا پیشہ کرتی ہیں۔ اور بھنگنیں اور چمارنیاں عیسائیوں کے ہاں پڑھ لکھکر
تعلیم کا کام کر رہی ہیں۔ بھائی سچ تو یہ ہے۔ کہ پرمیشور کی طرف سے جات

بات کا بکھیڑا کچھ نہیں ہے۔ یہ جھگڑے تو دنیا کے لوگوں نے کھڑے کر دیئے
ہیں۔ پرماتما نے ایک ہی سا جسم۔ ہاتھ پیر کان اور سمجھ سب کو دی ہے
اس کی چیزوں میں سب کا برابر حصہ اور حق ہے۔ ہم تو چمار ہو۔ یا اور کوئی۔
محض اس خیال سے کہ وہ چمار ہے نفرت نہیں کرتے۔ اور نہ صرف اس
خیال سے کہ کوئی برہمن کہلاتا ہے۔ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے
کہ جو جیسے برے یا بھلے کام کرتا ہے۔ وہ اپنے اپنے بھاؤ کے مطابق بھلا
اور برا بنتا جاتا ہے۔ آپ کانپور کا حال کیا کہہ رہے ہیں۔ اسی میلے میں چل
کر دیکھئے۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان۔ نہ کسی کے دین کا ٹھکانا اور نہ ایمان
کا۔ بھلا اسلام کو قبر پرستی سے کیا مطلب۔ مگر مطلب ہے صرف ٹکوں
کا۔ جنہیں یہ کافر اور بت پرست کہہ کر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ٹکوں کے
لالچ میں ان کی کیسی خوشامد کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ ان کے حقیقی رشتہ دار
ہیں۔ اور دیکھو گے چل کر۔ کہ خود کفر کا کام کرتے ہیں۔ اور ہندوؤں سے
کرواتے ہیں۔ ہندوؤں کی عقل پر تو پتھر پڑ ہی رہے ہیں۔ یہاں اگر کوئی
کسی کا پرائسچت کروا کر اپنے گروہ میں ملاتے ہیں۔ تو توبہ تلہ مچاتے ہیں
مگر یہاں خوشی سے چرسے کا پانی منہ سے لگاتے ہیں۔ دیگوں کا بھات
جسے مسلمان ہی پکاتے اور فاتحہ پڑھ کر لٹاتے ہیں۔ ہندو شوق سے
لیتے ہیں۔ اور جگن ناتھ کے بھات کی طرح بطور تبرک اپنے اپنے گھر
لیجاتے ہیں۔ بھلا یہ کیا سمجھ ہے۔ خیر

تیسرا آدمی۔ ہاں جی سچ ہے۔ آپ تو دیکھینگے ہی۔ بھلا بتائیے تو سہی۔
کہ یہ مدار کیا شے ہے۔ اور کب سے پوجتا ہے

مسافر۔ ہاں لیجئے۔ سنئے۔ دیکھئے اس کتاب کے صفحہ ۱۶۹ میں مدار
شاہ کے بارے میں یہ عبارت لکھی ہے۔

مسافر نے اپنی بغل میں سے ایک انگریزی کتاب بنام

The monumental antiquities inscription in N. W. P. & Oudh

نکال کر پڑھنی شروع کی۔ ساتھ والے آدمی بول اٹھے۔ کہ ہم انگریزی نہیں جانتے ہم کو اس کا ترجمہ سمجھا دیجئے۔ مسافر نے اس کا یوں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ "کانپور سے شمال و مغرب میں ۴۸ میل کے فاصلے پر بلہور کی تحصیل میں مکن پور گاؤں ہے۔ اس میں شاہ مدار کی درگاہ ہے۔ اس درگاہ کے باعث یہ چھوٹا سا گاؤں تمام ہندوستان میں مشہور ہو گیا ہے۔ یہ زیارت گاہ ایسن ندی کے کنارے پر قنوج سے دس میل گوشہ جنوب مغرب اور ریلوے سٹیشن آرول سے ڈھائی میل گوشہ شمال مشرق واقع ہے۔ آرول اور مکن پور کے عین بیچ میں ایک ہندوؤں کا گاؤں ہے جس کا نام ہرپورہ ہے۔ ہرپورہ میں پرانے زمانہ کے اس قدر مندر اور دیگر نشانات ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود مکن پور بھی کسی زمانہ میں ہندوؤں کا گاؤں تھا۔ جس کو کہ پیر صاحب نے اپنا بنا لیا تھا۔ جیسا کہ مسلمانوں کے وقت میں عام دستور تھا۔ یہ پیر صاحب حلب کے رہنے والے تھے۔ اور ۸۱۸ھ ہجری مطابق ۱۴۱۵ء میں شاہ شرقی جونپوری کے عہد میں یہاں وارد ہوئے پیر کی درگاہ ایک سیدھی سادی عمارت ۳۱ $\frac{1}{2}$ فٹ مربع ہے۔ چھت نیچی ہے۔ اس پر سفیدی ہوئی ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک ۷۰ فٹ مربع احاطہ ہے۔ جس کو حرم کہتے ہیں۔ حرم کے اندر نہ کوئی عورت جا سکتی ہے۔ نہ دیا جلایا جاتا ہے۔ نہ گیت گایا جاتا ہے۔ نہ کھانا پکایا جاتا ہے۔ سات دربار ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا نام علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک کا نام [illegible] مبارک ہے۔ جو ۹۰ فٹ مربع زیارت گاہ کے اندر [illegible] ہے۔ باہر کے احاطہ کا نام حرم دربار ہے۔ تیسرا استغفر دربار جس میں زنجیر پڑی رہتی ہے چوتھا پاکر دربار جس میں ایک زنجیر کا درخت ہے۔ پانچواں دھمال دربار

جس میں مجذوب فقیر ناچتے کودتے ہیں۔ چھٹے نقارخانہ جس میں نقارے اور دیگیں پڑی ہیں۔ ساتویں عالمگیر مسجد۔ کہتے ہیں کہ اس زیارت گاہ کو ابراہیم شرقی جونپوری نے بنوایا تھا۔ زیارت گاہ پر کوئی عبارت نہیں ہے۔ زیارتگاہ کے دو دروازوں پر کچھ عبارت کندہ ہے۔ مگر وہ زمانہ مابعد کی ہے۔ ان میں سے ایک کا نام چور دروازہ ہے۔ اس پر ۸۷۳ھ ہجری یا ۱۴۶۸ء عیسوی لکھا ہوا ہے۔ دوسرا دروازہ ہے جس پر ۹۹۸ھ ہجری کندہ ہے۔ یہاں کے مجاور بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں۔ کہ خود اورنگ زیب درگاہ کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ اس کے آنیکی تاریخ نہیں لکھی۔ تاہم اس کی تیار کردہ مسجد اب تک موجود ہے۔ عالمگیر مسجد کے علاوہ ایک دوسری مسجد بھی ہے جس کو دولت خاں نے ۱۰۲۲ھ ہجری میں بنوایا تھا"

شاہ مدار کے متعلق یہ بیان سُنکر وہ سب مسافر ہندوؤں کی جہالت پر افسوس کرنے لگے۔ جو کہ دور دور سے اپنے بچوں کے سنسکار کروانے کیلئے مسلمان کی قبر پر آتے اور وہاں مسلمانوں کے ہاں کا پکا ہوا بھات کھاتے اور اس کو بطور تبرک واپس لیجاتے ہیں۔ ان ہندوؤں کی عقل پر معلوم نہیں کس نے پتھر مار دیا ہے۔ اور معلوم نہیں اُن کو کدھر کا سانپ سونگھ گیا ہے۔ جو ان باتوں کو دیکھتے اور کرتے ہوئے ذرا بھی لجت نہیں ہوتے۔ مسلمان لوگ جیتے جی تو ولی بنکر ان کو مونڈتے ہیں۔ اور مرکر پیر بنکر ان سے اپنی جوتیاں لگواتے اور قبروں پر متھا ٹکواتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ مسافر ہندوؤں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے +

سورج پرشاد

پیپری کا سادھو راجہ

اودھ کے علاقہ میں تعلقہ دار کو راجہ یا مہاراجہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض راجے اگر کروڑپتی نہیں تو لاکھ پتی تو ضرور ہیں۔ بڑی سج دھج سے رہتے ہیں۔ چھپروں اور کچے مکانوں سے گھرے ہوئے گاؤں کے حلقوں میں راجہ لوگوں کے محل ان کی فارغ البالی کا ثبوت دیتے ہیں۔ باغات کثرت سے ہیں۔ ہاتھی کی سواری اس طرف عام ہے زمین بڑی زرخیز ہے۔ کیوں نہ ہو۔ گنگا۔ جمنا۔ گھاگرا۔ گنڈک۔ کوسی۔ گومتی قدم قدم پر دریا بہ رہے ہیں۔ گھاگرا کے کنارے اس سے ایک میل کے فاصلہ پر پیپری کا علاقہ ہے۔ پیپری بھڑائچ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے یہاں کے تعلقہ دار مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کی نسل سے ہیں۔ ان کا اسم گرامی مہاراجہ جگجوت سنگھ ہے۔ آپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے ہیں۔ یہی پیپری کے مہاراجہ ہیں۔ مگر کس قسم کے مہاراجہ ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ جو سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ میں ابھی گوجرانوالہ میں ہی تھا۔ کہ آپ کا ایک خاص آدمی میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے درخواست کی۔ کہ میں مہاراجہ جی کو درشن دوں۔ مگر میں نے اس کو ٹال دیا۔ دوسرے سال آپ کا پروہت ہردوار میں میرے پاس پہونچا اور راجہ کا پیغام دیا۔ مگر میں نے اس وقت بھی ٹال دیا۔ پچھلے سال جبکہ میں کشمیر جانیوالا تھا۔ آپ کے رجسٹرڈ خطوط میرے پاس آئے۔ کہ درشن دیجائیں۔ مگر وہ خطوط رجسٹرڈ ہی رہ گئے۔ گذشتہ فروری میں آپنے مجھے

پھر طلب کیا۔ آخر ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء کو میں ہردوار سے آپ کو "درشن دینے"
کے لئے چل پڑا۔ ۲۱۔ مارچ کی شام کو چوبیس گھنٹہ کے لگاتار سفر کے بعد
بھڑائچ پہونچا۔ سٹیشن پر میرے کئی مہربان موجود تھے۔ جنکی مہربانی کا میں
نے شکریہ ادا کیا۔ رات بھڑائچ ٹھیرا۔ دوسرے دن مہاراجہ صاحب کے
دارالخلافہ کی طرف چلنے کی تیاری کی۔ مہاراجہ صاحب نے بڑی "شفقت"
سے میرے لئے سواری کا انتظام کرنے کے لئے دو آدمی بھیج دیئے تھے۔ قاصدو
نے کہا "کہ مہاراجہ صاحب کا حکم ہے۔ کہ آپ پینس میں چلیں" میں نے
پینس کو امیروں کی سواری سمجھ کر یکّے میں چلنا منظور کیا۔ مگر بعد میں اپنی
کسر نفسی پر سخت نادم ہوا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہوا اس قدر سخت اور
سرد چل رہی تھی۔ کہ ننگے سر اس کا مقابلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی
دور تک تو یکّے والے پکّی سڑک پر چلے۔ مگر سرجو ندی کو عبور کر کے انہوں
نے کچی سڑک کا راستہ لیا۔ یہ وہی ندی ہے۔ جس میں بعض دہورت
لوگوں کے نزدیک مہاراجہ رامچندر جی سیتاجی کی جدائی میں ڈوب مرے
تھے۔ میں اس ندی کے صاف وشفاف جل اور اس کے کنارے کے
سرسبز درختوں اور پکے ہوئے گیہوں کے کھیتوں میں ہوا کے جھونکوں
سے ایک سنہری موج کے لہرانے کے دیکھنے میں مشغول تھا۔ کہ اتنے
میں یکّے والوں نے سڑک کو چھوڑ کر کانٹے دار جھاڑیوں اور دلدلی زمین
میں گھوڑوں کو ڈال دیا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو شاید میرے دل میں اس
وقت یہ خیال پیدا ہوتا۔ کہ یکّے والا مسلمان مجھے کسی جنگل میں بھٹکا کر
مارنے کیلئے لیجا رہا ہے۔ مگر چونکہ میرے ساتھ والے آدمی جو کہ رات کو
میری خاطر بھڑائچ پہونچے تھے۔ دوسرے یکّے میں ہچکولے کھاتے
ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔ اس لئے مجھے اس مسلمان کی نیت پر
شک کرنیکا کوئی موقع نہیں تھا۔ مگر میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ گھڑی کے

پنڈولم کو جسقدر پندرہ منٹ میں آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے۔ شاید اتنی دفعہ مجھے پندرہ سیکنڈ میں حرکت کرنی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ تو میرا سر اس زور سے ٹکرایا کہ مجھے خلیفہ جی کا زمانہ یاد آگیا۔ جبکہ انہوں نے ایک دفعہ سبق نہ یاد کرنے پر مجھے دیوار سے دے مارا تھا۔ نہ سڑک نہ سڑک کا نام گھوڑے یکوں کو کھردرے راستہ پر سے گھسیٹتے لئے جا رہے تھے۔ کبھی پڑھا تھا۔ کہ جن بھوت دوزخ میں انسانوں کو گھسیٹتے پھرینگے۔ وہ نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ مشہور ہے۔ کہ سکندر کی ایک آنکھ اوپر کو اور دوسری نیچے کو دیکھا کرتی تھی۔ مگر یہاں یکے کے دونوں پہیے سکندر کی آنکھوں کی طرح ایک زیر دوسرا زبر عجیب تماشا دکھاتے تھے۔ ایک دفعہ تو میں اس سلام مجرے سے اس قدر گھبرا گیا۔ کہ یکے والے کو چلا کر کہا۔ خدا کے واسطے مجھے پیدل چلنے دو۔ میں نے کوئی ایسا گناہ تو نہیں کیا۔ جس کی تم مجھے سزا دیتے ہو۔ مگر دراصل یہ میرا ہی قصور تھا۔ کیونکہ جیسا میں نے پیچھے کہا ہے۔ میرے میزبان نے پے درپے دو آدمی اسی لئے بھیجے تھے۔ کہ وہ بھڑائچ سے پینس کا انتظام کریں۔ اور مجھے یکے میں آنے سے منع کریں۔ مگر میں نے یہ سمجھکر کہ پینس امیروں کی سواری ہے یکے کو پینس پر ترجیح دی۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ خدا خدا کر کے راستہ ذرا صاف ہوا۔ اور یکے کی نبض ٹھکانے آئی۔ مگر بقول

چلت چلت پگ پڑ گئے چھالے
کتنی دور تیری کاشی

میں بار بار یہی سوال کرتا تھا۔ کہ اب پیپری کتنی دور ہے۔ مجھے جواب ملتا تھا۔ حجور بس آدھ میں آگئے۔ مجھے بتایا گیا تھا۔ کہ بھڑائچ سے پیپری آٹھ کوس ہے۔ مگر ایک گھنٹہ گذرا دو گھنٹے گذرے۔ تین گھنٹے گذرے۔ ابھی پیپری کے درشن نہیں ہوئے۔ زیادہ تحقیق کرنے

پر معلوم ہوا کہ اصل میں ادھر کے لوگوں کا کوس دو ڈیڑھ میل کا ہوتا ہے۔ خیر
چوتھے گھنٹے میں یکے والے نے مجھے اشارہ کرکے بتایا۔ کہ "حجور وہ پہپری آگئی"
میں نے شکر کیا۔ کہ چار گھنٹہ کی قید بلا مشقت و بامشقت کا خاتمہ ہوا۔
آخر ہمارے یکے پہپری میں پہونچ گئے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایکدفعہ زمانہ طالبعلمی
میں اپنی کلاس میں سے اُٹھکر نماز پڑھنے کیلئے چلے جانیکے قصور میں میرے
برہمن پنڈت نے آدھ گھنٹہ تک کان پکڑوائے تھے۔ مگر یکے میں سے
اتر کر جس قدر میری ٹانگوں میں درد ہو رہا تھا۔ اس قدر آدھ گھنٹہ کان پکڑنے
سے نہیں ہوا تھا۔ یکہ ایک خاص قسم کے مکان کے سامنے جا ٹھیرا۔ اور
ایک سفید پوش بھاگا ہوا اندر گیا۔ کہ مہاراج جی کو اطلاع کردوں۔ مگر
میں حیران تھا۔ کہ میں کہاں ہوں۔ کیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے
کے مکان پر ہوں۔ یا ایک سادھو کے ڈیرہ پر؟ کیونکہ میں اپنے دلمیں
کچھ اور ہی نقشہ بنائے ہوئے تھا۔ میں خیال کرتا تھا۔ کہ مجھے عظیم الشان
محل نظر آئینگے۔ مگر مجھے گھاس پھوس کی جھونپڑیاں نظر پڑیں۔ ابھی
دو منٹ نہیں ہوئے ہونگے۔ کہ ایک بلند دروازے کی طرف سے
ایک گورہ رنگ۔ بلند قد۔ چار ابرو کا صفایا کئے ہوئے گیروئے رنگ کا
کوٹ اور پنجابی جوتہ پہنے ہوئے ہنس مکھ "سادھو" میرے استقبال
کے لئے آگے بڑھا۔ "میرے بڑے دھن بھاگ ہیں۔ جو آپنے درشن
دیئے"۔ ان الفاظ کو سُنکر میں بغیر کسی قسم کے انٹروڈکشن کے سمجھ گیا۔ کہ
میرا میزبان اسی گودڑی میں پوشیدہ ہے۔ اگرچہ میرے لئے یہہ
ابتدائی مرحلے

ایں زمین را آسمانے دیگر ست

کا حکم رکھتے تھے۔ مگر مجھے اس "دشال مورت" نورانی چہرے کو دیکھکر
جس قدر خوشی ہوئی۔ وہ شاید اس صورت میں ہرگز نہ ہوتی۔ اگر وہ

لباس فاخرہ زیب تن اور کلاہ خسروانہ بر سر کئے ہوئے۔ "اندر تشریف لے چلئے" یہ کہکر وہ میرے ساتھ ساتھ ہو لئے۔ ایک کھلے صحن میں میرے لئے کرسی بچھا دی گئی۔ اور آپ بھی سامنے چارپائی پر بیٹھ گئے۔ خیر و عافیت پوچھنے کے بعد بھوجن وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ چونکہ بھوجن کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا۔ اور میں کچھ آرام بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے تمام تکلفات کو دور رکھکر میں سادھو جی کے ڈیرہ پر دراز ہو گیا۔ "میں نے آپ کے ساتھ لڑنے کیلئے بہت سا مصالح تیار کر رکھا ہے" یہ سُنکر میں نے جواب دیا۔ کہ گو میں لڑنے کی تیاری کر کے نہیں آیا ہوں۔ لیکن آپ کا چیلنج منظور کرنے میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ "میں ابھی مشکل سے اپنی بات ختم کرنے پایا تھا۔ کہ مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ "دُنیا میں الہام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ضرورت ہے تو کیوں؟ دنیا میں ہم کس کتاب کو الہامی مانیں؟ اور کیوں مانیں؟" سادھو کے سوالات تو دو لفظی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان کا جواب دینے میں مجھے ایک گھنٹہ لگانا پڑا۔ یہ ایک خاصہ لیکچر تھا۔ سادھو یا راجہ صاحب اور اُن کے اہلکار جن میں ہندو۔ سکھ اور مسلمان تینوں رنگ کے آدمی شامل تھے۔ میرے سامعین میں سے تھے۔ جب میرا جواب ختم ہو گیا۔ تو آپ مجھے اس کمرے میں لیگئے۔ جو کہ میری رہائش کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ مُنہ ہاتھ دہونے سے پیشتر میں نے کہا۔ کہ اگنی ہوتر کرونگا۔ پہلے اس کے لئے تیاری کروا دیجئے۔ میں جانتا تھا۔ کہ ہر جا کہ خیمہ زد و خرگاہ ساخت کے مطابق جہاں جاؤنگا زمین میں اگنی کنڈ بنا لونگا۔ میں نے ہون کنڈ ساتھ نہیں لیا تھا۔ اس لئے وہاں پر ہی ایک طرف نقشہ کھینچکر راجہ صاحب کے ایک کارندہ کو بتا دیا۔ کہ اس طرح کا کنڈ بنا دو۔ مُنہ ہاتھ دھوکر سندھیا کر کے جب میں اگنی ہوتر کرنے لگا۔ تو راجہ صاحب بھی ایک طرف چپ چاپ زمین پر آکر بیٹھ گئے۔ اور بڑے غور سے

منتروں کو سنتے رہے۔ جب میں اگنی ہوتر کر چکا۔ تو آپ نے بڑے زور سے "اللہ اکبر" کہا۔ وہ میری حرکات پر حیرت زدہ تھے۔ مگر میں ان کے "اللہ اکبر" پر انگشت بدندان تھا۔ پیشتر اس کے کہ میں اُن سے کوئی سوال کروں۔ وہ جھٹ پوچھنے لگ گئے "مہاراج جی! یہ چیزیں کتنی قیمت کی ہونگی۔ اغلباً دو تین آنے کی ہونگی۔ پاؤ بھر گھی بھی ہوگا۔ بھلا اگر اتنی چیزیں کسی بھوکے کو کھلا دی جائیں۔ تو کتنا اوپکار ہو۔ آگ میں جلانے سے کیا فائدہ؟"

سادہو جی تو اعتراض کر کے چپ ہو گئے۔ مگر اس کا جواب دینے میں مجھے نصف گھنٹہ اور صرف کرنا پڑا۔ میرا جواب سُنکر آپ اُٹھکر چلے گئے کہ اب میں آپ کے بھوجن کا انتظام کرتا ہوں۔ وہ تو اُدھر اس انتظام میں لگ گئے۔ مگر ادھر میں تھا۔ کہ خیالات کے ایک عجیب چکر میں پھنس رہا تھا "اللہ اکبر! اس کے کیا معنی؟ کہیں میں مسلمان کے گھر تو نہیں آ گیا۔ میں تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے سے ملنے آیا تھا۔ مگر یہ اللہ اکبر کیا بلا ہے۔ یہ مجسم اللہ کون ہیں۔ کیا دھوکہ تو نہیں کھایا" میں ان ہی خیالات میں غلطان و پیچان تھا۔ کہ اتنے میں آپ ایک ہاتھ میں گنگا جلی پکڑے ہوئے شِو شِو کرتے آبراجے "بھوجن تیار ہے۔ آپ ہاتھ دھو لیجئے" میں ان کو اس طرح اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر پہلے تو جھجکا مگر پھر کہا" بھلا آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ نوکر موجود ہیں" مجھے جواب ملا۔" اَن پانی پرمیشور دا۔ ٹہل سیوا سِکھاں دی۔ میرے پلے تو یہی سیوا پڑیگی" نوکر آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ مگر آپ کسی کو یہ کام نہیں کرنے دیتے تھے۔ میں نے ہاتھ تو دھو لئے۔ مگر میرے۔ سر۔ منہ۔ آنکھ۔ ناک۔ کان میں اللہ اکبر گھُس رہا تھا۔ آپ ہاتھ دھلا کر چلے گئے۔ چار منٹ کے بعد آپ بھوجن لگا کر لے آئے۔ اور "ہے رام" کہکر میرے سامنے رکھا۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ "میں آج کی رات ہی ٹھیرونگا

اور صبح یہاں سے چل دونگا۔ کیونکہ میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا"۔ میرے ان کلمات کو سنکر آپ نے جواب دیا "اللہ! اللہ!! اتنی جلدی"۔ یہ کہکر وہ مسکرائے۔ میں تاڑ گیا۔ کہ بات اصل میں کیا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد بہت دیر تک بے تکلفی سے بات چیت ہوتی رہی۔ میں چونکہ زیادہ تھکا ماندہ تھا۔ اس لئے باتیں کرتے کرتے ہی سو گیا۔ دوسرے دن علے الصباح اٹھکر نتیہ کرم سے فارغ ہوکر میں اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ کہ اتنے میں آپ آگئے۔ مجھے دوسری طرف صحن میں لیگئے۔ جہاں اُن کے تمام کارندے موجود تھے۔ اور بات چیت شروع کردی "میرے خیال میں اخلاق ناصری سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی پستک نہیں ہے۔ آپکی کیا رائے ہے؟" ان الفاظ کو سنکر میں حیران ہوگیا۔ "میرے خیال میں آپکی اس رائے سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی غلط رائے نہیں ہوگی"۔ میرے آزادانہ جواب کو سُنکر آپ اور آپکے تمام ارکین ہنسے "میں تو کنوئیں کے مینڈک کی طرح ہوں میں نے آپکا آزادانہ جواب سننے کیلئے یہ کہا تھا" یہ سُنکر میں نے کہا "مگر کنوئیں کے مینڈک کو اس سمندر کے بارے میں جسکو اُس نے دیکھا تک بھی نہیں ہے۔ دوٹک رائے لگانیکا کوئی حق نہیں ہے"۔ اسکے بعد پراچین اور موجودہ تہذیب پر بحث شروع ہوئی۔ میں آپ کے مُنہ سے پہلی دفعہ "اللہ اکبر" سُنکر حیران ہوا تھا۔ مگر آج معلوم ہوا۔ کہ یہ آپ کا تکیہ کلام ہے۔ کہ جب کوئی نئی بات سنتے یا دیکھتے ہیں۔ تو جھٹ "اللہ اکبر" کہہ دیتے ہیں۔ یہانتک کہ اسوقت کسی گاؤں سے جو دو برہمن آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی میری باتوں کو سُنکر "اللہ۔ اللہ" کہہ رہے تھے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا مولود شریف کی محفل جم رہی ہے۔ اور میں ایک دفعہ پھر صوفیوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اگر حافظ شیرازی اسوقت موجود ہوتا۔ تو وہ اپنے شعر میں یہ تبدیلی کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام ٭ با برہمن اللہ اللہ با مسلمان رام رام

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ راجہ صاحب راتدن اردو۔ عربی فارسی کی کتابیں
پڑھتے رہتے ہیں۔ اور زیادہ تر مسلمانوں کی کتابیں ہی دیکھتے ہیں" آپ پراچین
گرنتھوں کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں کی کتابیں کیوں زیادہ دیکھتے
رہتے ہیں؟ میرے اس سوال پر آپنے فرمایا" دشمن کے گھر کا بھید زیادہ جاننے
کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ ہم پر کبھی وار نہ کر بیٹھے" مگر جتنا وقت ہم دشمن کے گھر
کا بھید لینے میں صرف کرتے ہیں۔ اگر اتنا وقت اپنے گھر کو مضبوط کرنے میں
لگائیں۔ تو پھر دشمن کا کھٹکا ہی نہیں رہ سکتا۔ ستیارتھ پرکاش کے کئی
مضامین پر آپ نے بحث کی۔ مگر سب سے عجیب بحث وہ تھی۔ جو کہ آپ نے
آخری دن قرآن کے بارے میں کی۔ میں سورۃ الفیل کے بارے میں کچھ
کہہ رہا تھا۔ کہ آپ کے مولوی صاحب بیچ میں بول اٹھے" صاحب! یہ بات
قرآن میں ہرگز نہیں ہے"! اچھا مولوی صاحب آپ ذرا اس آیت کا ترجمہ تو کر دیجئے

حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما احل بغیر اللہ
فمن اضطر منکم غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ"

مولوی صاحب بولے۔ واہ! یہ تو قرآن شریف کی آیت ہی نہیں ہے"
میں تاڑ گیا۔ کہ طوق زرین ہمہ در گردن خرے بینم کا معاملہ ہے۔ اچھا مولوی
صاحب آپ ذرا سورۃ الفیل تو پڑھکر مجھے سنائیے" مولوی صاحب بولے
اجی میں کیا جانوں۔ میں نے قرآن پڑھا تھوڑا ہی ہے۔ میں نے تو سنا ہے
میں اس شخص کی سادگی پر بہت حیران ہوا۔ لاحول ولا۔ از پرنیاں سر
بردن زد بلاس!! خیر بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آخر سلسلہ ختم
ہوا۔ اتفاق سے اسی دن چھوٹی رانی صاحبہ کے بھائی کا ہیضہ سے انتقال
ہوگیا۔ گھر میں رونا پیٹنا مچگیا۔ مگر راجہ صاحب تھے۔ کہ چہرے پر کسی قسم کا
ملال نہیں تھا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے کئی بیماریوں سے تکلیف اٹھا
رہے ہیں۔ اور بالکل مجذوب ہیں۔ تن من کی کوئی ہوش نہیں ہے۔ مگر آپ

اُن کی بڑی عزت کرتے ہیں - اور بڑی سیوا کرتے ہیں - ایک دن میں بڑا حیران ہوا - نوکر راجہ کیلئے دودھ لایا - کچھ تو آپ نے پی لیا - اور کچھ باقی چھوڑ دیا - نوکر سے کہا - کہ یہ بھائی صاحب کو پلا دو - میں بڑا حیران تھا - کہ یہ بھائی صاحب کون ہیں - جنکو جوٹھا دودھ پلایا جاتا ہے - نوکر نے آبخورہ کتے کے سامنے جاکر رکھدیا جو کہ پاس ہی بیٹھا ہوا تھا - میں ڈاروِن راجہ کے "بھائی" کی شکل دیکھ بڑا متعجب ہوا -
راجہ صاحب کی رعایا کو دیکھنے کا میرے دل میں بڑا اشتیاق تھا - اور چاہتا تھا - کہ وزیرے چناں شہر یارے چنیں - آن را تو دیدہ ایں ہم بہ بیں ذرا رعایا کے بھی درشن کر لوں - اودھ کے تعلقہ دار اپنے اپنے علاقہ کے راجہ ہیں - ایک دن علی الصبح راجہ صاحب کے تحصیلدار کو ساتھ لیکر میں دریائے گھاگرا کی سیر کرنے چلا گیا - راستہ میں تین چار گاؤں میں سے گذرنے کا اتفاق ہوا - کاشتکاروں کی حالت کو دیکھ کر میں مشکل سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر سکا - میرے خیال میں اس طرف کے کتے اور کوے ان لوگوں کی نسبت زیادہ آنند سے زندگی بسر کرتے ہیں - یہ لوگ زیادہ تر برہمن اور چمار ہیں - برہمن لوگ کاشتکاری کرتے ہیں - اور چمار لوگ مزدوری پیشہ ہیں - مگر برہمنوں اور چماروں میں سوائے یگیوپویت اور چوٹی کے اور کوئی فرق نہیں ہے - بلکہ بعض حالتوں میں چمار برہمنوں کی نسبت زیادہ آسودہ نظر آتے تھے - ان تین چار گاؤں میں شاید تین یا چار آدمی ہی ایسے ملے ہونگے - جن کے سر پر ٹوپی اور گلے میں کرتہ ہوگا - باقی سب کے سب تن برہنہ تھے - وہ سب ایک میلی سی دھوتی باندھے ہوئے تھے -
ان لوگوں کی پوشاک مل ملا کر صرف ایک جوڑہ دھوتی ہے - سردی اور گرمی میں اسی میں گذارہ کرتے ہیں - سردی کے دنوں میں زمین پر سوتے ہیں - گھاس پھوس کا بستر ا ہوتا ہے - گھاس کا بچھونا اور گھاس کی اوڑھنی جیسے کتیا گھاس میں گھسکر سردی کی رات کاٹتی ہے - ویسے ہی یہ لوگ کچھ گھاس

اوپر اور کچھ نیچے بچھاکر سردی کاٹتے ہیں۔ اگر کسی کے رضائی ہو۔ تو وہ بڑا دولتمند سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑے دبلے پتلے اور مریل ہیں۔ پڑھنے لکھنے کا نام تک نہیں جانتے۔ نہ ہی اُنکی تعلیم کا کوئی انتظام ہے۔ نہ ہی وہ تعلیم پانا چاہتے ہیں۔ ہر ایک گھر میں ایک دو گائے۔ بکری ضرور ہیں۔ مگر وہ بھی اپنے مالکوں کی طرح مریل۔ پختہ مکان کوسوں تک نظر نہیں آتا۔ جس گاؤں میں جاؤ۔ چھپر ہی چھپر نظر آئینگے وہ بھی بوسیدہ اور خستہ۔ ان لوگوں کی خوراک نہایت ہی ناقص اور ناکافی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ اسقدر منحنی ہیں۔ ایک بوڑھے برہمن نے تحصیلدار صاحب سے آکر التماس کی۔ کہ میرے لڑکے کو پھر راجہ صاحب کے ہاں نوکر رکھوا دیجئے میں نے تحصیلدار سے پوچھا "کہ کیا یہ لڑکا پہلے بھی راجہ صاحب کا ملازم تھا اس نے جواب دیا۔ کہ ہاں۔ میں نے پوچھا۔ تنخواہ ماہوار کیا ملتی تھی؟ جواب ملا کہ دو روپیہ ماہوار خشک۔ دو روپیہ میں وہ اور اس کا باپ دونوں گذارہ کرتے تھے۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے۔ کہ ان لوگوں کا حال کتوں سے بھی بدتر ہے۔ یہ لوگ از سرتا پا ہڈیوں کے پنجر ہیں۔ جسم کی ناڑیاں اور پسلیاں علیحدہ علیحدہ گن لیجئے۔ یہاں پر کچھ ضرورت نہیں۔ کہ بچوں کو گنتی سکھانے کیلئے بال فرم خریدا جاوے۔ یہ سب لوگ بال فرم کا کام دیسکتے ہیں۔ جسقدر اناج پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نصف حصہ "پوت" یا لگان میں چلا جاتا ہے۔ جو باقی رہتا ہے اس کا نصف ڈوم۔ نائی وغیرہ لیجاتے ہیں۔ چوتھائی میں سے نصف کارندوں کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ باقی کاشتکاروں کے پلے پڑتا ہے۔ اوہ نہایت ہی خوفناک نہایت ہی ترسناک حالت!! ان لوگوں کے گھروں میں کانسی۔ پیتل کے برتن مشکل سے نظر آئینگے۔ جب روٹی بنانی ہوتی ہے۔ تو کپڑے کے ایک کنارے پر آٹا گوندہ لیتے ہیں۔ اور پیڑے بنا کر آگ جلا کر بیچ میں رکھدیتے ہیں۔ اس طرح نصف کچا اور نصف پکا آٹا کھا کر پاس کے دریا یا کنوئیں کا پانی پی آتے ہیں۔ اصلی کچی پکی تو یہی ہے!! توے پر پکی ہوئی روٹی کو کچا کہنا

بیوقوفوں کا کام ہے۔ غضب! ایک طرف قنوجیوں کی کچی پکی دوسری طرف ان لوگوں کی!! بنئے وغیرہ کی دکان شاید ہی کہیں نظر آئے۔ سودے سلف کا یہ حال ہے۔ کہ ہفتہ میں دو دفعہ ایک گاؤں میں جو کہ دس پندرہ گاؤں کے بیچ میں ہوتا ہے۔ ایک میلہ لگتا ہے۔ اردگرد کے گاؤں کے لوگ اپنی اپنی چیزیں لیکر وہاں آجاتے ہیں۔ کسی کے پاس تمباکو۔ کسی کے پاس گڑ۔ کسی کے پاس سبزی کسی کے پاس کپڑا۔ کسی کے پاس مرچ مصالح۔ اگر تمباکو والے کو گڑ کی ضرورت ہے۔ اور گڑ والے کو تمباکو کی۔ تو دونوں آپسمیں تبادلہ کرلینگے۔ پیسے دیکر چیز خریدنا دولتمندوں کا کام سمجھا جاتا ہے۔ ان میلوں میں سے ایک میں مجھے بھی جانیکا اتفاق ہوا۔ کتابوں میں افریقہ کے حبشیوں کے تبادلہ یا بارٹر کا حال پڑھا تھا مگر یہاں بچشم خود دیکھ لیا۔ غرضیکہ کاشتکاروں یا رعایا کی حالت ناگفتہ بہ ہے میں نے راجہ صاحب کے دس پندرہ گاؤں میں چکر لگایا۔ مگر تقریباً سب جگہ یک رنگی نظر آئی۔ آخر میں نے ان سے کہا۔ کہ آپ سے مل کر تو مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ مگر افسوس آپ کی رعایا کا حال دیکھ کر مجھے سخت دکھ ہوا ہے۔ راجہ صاحب بولے۔ کہ بھڑاپچ کے علاقہ بھر سے میری رعایا بہت فارغ البال ہے۔ ناظرین! آپ خود اندازہ لگالیں۔ کہ جب فارغ البال رعایا کی حالت ایسی ردی ہے جیسی کہ میں نے اوپر بیان کی ہے۔ تو پھر خستہ حال رعایا کا کیا حال ہوگا۔ مجھے راجہ صاحب کی بات پر شک کرنیکے لئے کوئی موقع نہیں تھا۔ کیونکہ تحصیلدار نے مجھے بتا دیا تھا۔ کہ کئی دفعہ راجہ صاحب نے تمام علاقہ کا لگان سال کیلئے معاف کر دیا ہے۔ راجہ صاحب کے تمام علاقہ میں ایک بھی ڈاکٹر نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ڈسپنسری ہے میں نے راجہ صاحب سے التماس کی کہ پرماتمانے پانچ چھ ہزار انسانوں کو آپکے سپرد کر رکھا ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم آپ دو باتوں کا انتظام ضرور کر دیجئے۔ ایک تو ان لوگوں کی تعلیم کا اور دوسرے اپنے علاقہ میں ایک ڈاکٹر رکھیئے۔ تاکہ بن آئی

موت لوگ نہ مرنے پائیں۔ تعلیم کے بارے میں اس طرف تعلقہ داروں میں
بڑی سخت غلط فہمی پھیل رہی ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اگر مزارعہ لوگ پڑھ گئے۔
تو وہ اپنے حقوق سے واقف ہو جائینگے۔ اور تنگ کرنے لگ جائینگے۔ مگر یہ ایک
بڑا ہی مذموم خیال ہے۔ جو کہ خود غرضی کی بنا پر مبنی ہے۔ راجہ صاحب کے ساتھ اس
بارے میں بات چیت ہوئی۔ آخر انہوں نے تسلیم کیا۔ کہ میں جلدی ہی ان لوگوں
کی تعلیم کا بندوبست کرونگا۔ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ جس صورت میں راجہ صاحب
نے اپنے لئے دیگر تعلقہ داروں کی طرح کوئی پختہ مکان تک نہیں بنوایا۔ نہ ہی ہاتھی
گھوڑے رکھے ہوئے ہیں۔ گیروئے کپڑے پہنے سادھوؤں کا بھیس بنائے ہوئے ہیں
بالکل سیدھی سادی غذا کھاتے ہیں۔ شراب ماس کو چھوتے تک بھی نہیں۔ نہ
ہی کوئی دوسری منشی اشیا استعمال کرتے ہیں۔ نہ ہی ان کو کوئی دوسری بری علت
ہے۔ جسمیں تعلقہ دار عموماً روپیہ اڑا دیا کرتے ہیں۔ تو پھر انکی جاگیر کی آمدنی کہاں خرچ
ہوتی ہوگی۔ اور وہ اپنے علاقہ میں تعلیم کا انتظام کیوں نہیں کرتے؟ اسکا جواب یہ ہے
کہ آپ گورنمنٹ کے بڑے خیرخواہ ہیں ہر دلعزیز ہیں۔ اس خیرخواہی اور ہر دلعزیزی
میں ہی بہت سا روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے۔ یہی حال ہمارے ملک کے دوسرے رئیسوں۔
تعلقہ داروں اور راجوں نوابوں کا ہے۔ کاش وہ اپنے فرائض کو سمجھیں اور جن انسانی
بچوں کو پرماتما نے انکے ماتحت کر رکھا ہے۔ انکی روحانی جسمانی۔ دماغی ترقی میں ساعی
ہو کر اور انکو کتوں اور بندروں کی سی ابتر زندگی سے نکال انسانیت کا رنگ دے کر بنی نوع
انسان کی سچی خیرخواہی اور ہر دلعزیزی کے مستحق بنیں۔ ہیری کا سادھو راجہ انسانی
ہمدردی کا جوش اپنے دل میں لئے ہوئے ہے میں نے بچشم خود دیکھا۔ کہ ایک ادنے
سے ادنے نوکر کے بیمار ہونے پر آپ گھنٹوں اسکے سرہانے بیٹھے اسکو تسلی دیتے اور مالش
کرتے رہتے تھے۔ جب ایک معمولی نوکر کی بیماری میں انکی ہمدردی کا یہ حال ہے۔ تو
اغلباً وہ اپنے علاقہ کی ہزاروں جانوں کو جو کہ جہالت کی مرض میں مبتلا ہیں علم سے زیادہ
دیر تک محروم نہیں رکھینگے۔ سادھو راجہ سے رخصت ہو کر میں ۳۰ مارچ کی صبح کو ہردوار پہونچگیا

عجائبات قدرت

”اندر“ کے اسی پرچہ کے عین شروع میں ہمارے مہربان دوست پنڈت وشنولال جی ایم۔اے منصف سنبھل ضلع مرادآباد کا ایک قابل قدر عالمانہ مضمون درج ہے۔آپ نے بڑی خوبی سے اس مضمون میں اس بات کو ثابت کیا ہے۔کہ برکشوں میں صرف یہی نہیں کہ وہ جیودھاری ہیں۔بلکہ بعض صورتوں میں برکشوں اور دوسرے جانوروں میں اس قدر مشابہت پائی جاتی ہے۔کہ ان کو برکش یا جانور کہنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔چنانچہ آپنے مضمون کو واضح طور پر بیان کرنیکے لئے اس قسم کے جنتوؤں کی جابجا تصویریں بھی دی ہیں۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ برکشوں میں جیو نہیں ہے۔وہ سراسر غلطی پر ہیں۔پنڈت صاحب موصوف کے مضمون کی تائید میں ہم ساتھ لگتا یہ بھی دکھانا چاہتے ہیں۔کہ برکشوں میں نہ صرف جیو ہی ہے۔بلکہ بعض اوقات ان کی بیرونی شکل وصورت بھی جاندار وں سے اس قدر ملتی جلتی ہوتی ہے۔کہ ان کو بادی النظر میں بے جان چیز کہنا مشکل معلوم ہوا کرتا ہے۔قدرت میں ایسے کرشمے اکثر ہوتے رہتے ہیں۔بوعلی سنیا کا بیان ہے۔کہ ہیٹز میں ایک یہودی نے شراب کی بوتل میں ایک چقندر رکھ چھوڑا تھا۔جو انسان کے چہرے سے ملتا جلتا تھا۔اور اس کے نیچے مرغ کی سی ٹانگیں تھیں۔یہ چقندر جب زمین سے نکالا گیا تھا۔تو اس میں سے ایک خاص قسم کی چیخ کی آواز نکلتی تھی۔کیڑے مکوڑوں کو کھاتا تھا۔پانچ ہفتہ کے بعد یہ مرگیا یہودی نے اس کو شراب کی بوتل میں محفوظ کر لیا۔ چقندر کی یہ کہانی بڑی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہوگی۔مگر جب ہم کیڑے مکوڑے کھانیوالا درخت اسوقت بھی موجود پاتے ہیں۔اور اس درخت کی تصویر بھی پنڈت صاحب نے اپنے

مضمون میں دی ہے۔ تو ہمیں چقندر کی چیخ چلاہٹ یا اس کی خوراک پر کوئی تعجب کرنیکی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر ہم ناظرین کی دلچسپی کیلئے اور اس مضمون پر روشنی ڈالنے کیلئے تین تصویریں اسمیں درج کرتے ہیں۔ جو انسان کو حیرانی میں ڈبو دینے والی ہیں۔

تصویر اول

کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا لیڈی صاحبہ کا کیا نام ہے اور یہ کہاں پیدا ہوئی تھیں؟ نہیں آپ نہیں بتا سکینگے۔ مت خیال کیجئے۔ کہ یہ کسی عورت کی تصویر ہے۔ نہیں بلکہ یہ تو ایک شلجم ہے۔ جس کو عام لوگ گونگلو یا شلغم کہتے ہیں شلغم کا یہ پیڑ سنہ ۱۶۲۸ء میں جرمنی کے ملک میں موضع ویڈن میں جو کہ بون اور جو لیرس کے درمیان ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ایک کھیت میں پیدا ہوا تھا۔ اس عجیب وغریب پودے کا مفصل حال کتاب (Miscellanea Acadumie Nature) مطبوعہ سنہ ۱۶۷۰ء صفحہ ۱۳۹ میں موجود ہے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا۔ کہ اوپر کو اٹھے ہوئے پتے ایسے ہیں۔ جیسے کہ یورپ کی لیڈیاں کورٹ ڈریس کو زیب تن کرتے وقت سر پر خاص قسم کے پر یا بال ایک خاص فیشن سے پہنا کرتی ہیں۔ ناک۔ آنکھ۔ کان۔ منہ۔

ذقن۔ گردن تو ہو بہو ایک خوبصورت عورت سے ملتی جلتی ہے۔ نیچے کی جڑیں کچھ ایسے ڈھب پر واقع ہوئی ہیں۔ گویا کہ ایک ایشور بھگت پرم آسن لگاکر پرماتما کی بھگتی میں مشغول ہے۔ اچھا اس سادھو کو اس کی سمادھی اوستھا میں چھوڑکر ذرا آگے چلئے۔ اور ایک اور کرشمہ دیکھئے ؞

تصویر دوم

اس تصویر کو دیکھکر ہمیں سکھوں کا تیرتھ حسن ابدال "پنجہ صاحب" یاد آجاتا ہے۔ مگر نہیں یہ پنجہ صاحب نہیں ہے۔ بلکہ یہ مولی ہے۔ جو کہ ہارلم کے ایک کھیت میں سنہ ۱۶۷۲ع میں پیدا ہوئی تھی۔ جیکب بنوئی نے اس مولی کی تصویر اتار کر گلینڈروپ کے نظر کی۔ اسی قسم کی ایک اور مولی

جوکہ انسانی ہاتھ سے بالکل ملی جلی تھی مسٹر لسبٹ کے پاس تھی۔ جوکہ سنہ ۱۸۰۲ء
میں برمنگھم کے عجائب خانے کے سکرٹری تھے۔ مسٹر لسبٹ کو اس مولی کی
بہت قیمت ملتی تھی۔ مگر انہوں نے اس کے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔
مگر ایک اور تصویر دیکھئے:-

تصویر سوم
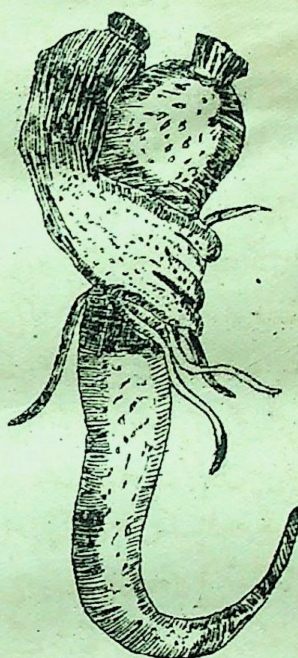
یہ ایک گاجر کی تصویر ہے۔ اس میں انسانی ہاتھ کی شکل موجود ہے۔ یہ گاجر ایک عورت بازار میں فروخت کر رہی تھی۔ وہاں سے ایک شوقین نے اس کو خرید لیا۔ اور اس کی تصویر اتار لی۔ ڈاکٹر منزل صاحب شہادت دیتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس کے علاوہ ایک ایسی گاجر دیکھی جو کہ بالکل انسان سے مشابہ
تھی۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس کا خاکہ کسی نے نہیں اتارا۔ مذکورہ بالا چند مثالیں ہیں
جن سے پتہ لگتا ہے۔ کہ علاوہ جیودھاری ہونیکے بعض صورتوں میں قند مول وغیرہ
کی بیرونی شکل و صورت بھی حیوان یا انسان کے کُلاً یا جزءً مشابہ ہوتی ہے۔ پنر جنم
کے مسئلہ کے سامنے یہ تمام عجائبات حل ہو جاتے ہیں +

امریکہ میں خالصہ بہادروں کے کارنامے

ذیل کا مضمون مہاشہ منشی رام جی امریکہ سے ارسال کرتے ہیں۔ خالصہ بہادر اسکو توجہ سے پڑھیں۔ اور اپنے بھائیوں کو انسان بنانیکی کوشش کریں تاکہ وہ غیر ملکوں سے بدنامی کا سیاہ داغ ماتھے پر لیکر واپس نہ آئیں۔ ایڈیٹر!!

میرے اہل وطن کی بدنامی کا باعث ممالک غیر میں کون ہیں۔ اس بات پر روشنی ڈالنے کیلئے میں یہ چھوٹا سا آرٹیکل لکھنے لگا ہوں۔ اگر کوئی شخص غیر ممالک میں جاوے۔ تو اس کو سب سے پہلے پنجابی سکھ جاٹ بطور سفر مینا کام کرتے نظر آئینگے۔ غیر ممالک کے رسم و رواج سے تو درکنار وہ اپنے ملک کے رسم و رواج سے بھی قطعی بے خبر ہیں جنکو زندگی بھر میں کسی بھی اچھی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ مہذب سوسائٹیوں میں جاکر جو کچھ گل کھلائیں تھوڑے ہیں۔ پس میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ پہلے امریکہ کے کچھ حالات درج کروں جس سے سلسلہ شروع ہو سکے۔ مجھ کو ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء میں کاروالس میں جانیکا موقع ملا۔ وہاں جاکر مجھے پتہ لگا۔ کہ پورٹ لینڈ کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک پڑھا لکھا لڑکا آیا ہے۔ اس کے ساتھ تین چار سکھ بھی ہیں۔ خیال آیا۔ کہ وہاں سے ہوتا ہوا میں آگے چلوں۔ وہاں پہونچکر اور اونکی حالت کو دیکھکر بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ مبادا اس مکان کو ایسی گندی حالت میں دیکھکر امریکن آگ لگا دیں۔ میں نے بڑی مشکل سے وقت کاٹا۔ میں نے انکو سمجھایا۔ کہ انکو اس ملک میں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ ایک دن کی گھبراہٹ میں میں نے

تین چار خط کا روانس لکھے۔ کہ اگر اس مکان میں ایسا واقع ہوگیا۔ تو سخت بدنامی کا موجب ہوگا۔ دوسرے دن میں نے فوراً اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ جس لڑکے کو میں دیکھنے کیلئے گیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہولیا۔ اسی کی وجہ سے انکو کام ملا تھا۔ مگر وہ بھی اُس کی موجودگی تک۔ جو کوئی ان کی شکل اور لمبے بالوں کو دیکھتا تھا۔ انکو نفرت کی نگاہ سے دیکھکر کام دینے سے انکار کر دیتا تھا۔ کچھ دن کے بعد آرگونین اخبار میں ایک مضمون نکلا جس کی سرخی تھی۔ کہ وینکوور واقع کینیڈا میں ایک مکان جلا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جس مکان میں مشکل سے دس آدمی گذارہ کر سکتے تھے۔ اسمیں ساٹھ خالصہ لوگ رہتے تھے۔ اور اس مکان کو ایسا غلیظ کر رکھا تھا۔ کہ اس کی سڑاند سے تمام شہر میں بیماری پڑ جانیکا اندیشہ تھا۔ بدبو کے مارے مسافر بھی اس طرف سے نہیں گذر سکتے تھے۔ یہ مکان خالصوں کا گوردوارہ تھا۔ کچھ دن ہوئے۔ دو لڑکے بنام کرم سنگھ و ہردت سنگھ امریکہ آرہے تھے۔ ان کا ایک خط مجھ کو موصول ہوا۔ کہ ہم سفر میں ہیں۔ ہماری ڈاک کو اچھی طرح اپنے پاس رکھیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ پورٹ لینڈ میں اُترے۔ چونکہ کالج عنقریب ہی تین ماہ کیلئے بند ہونے والا تھا۔ اس لئے وہ پورٹ لینڈ میں کام کی تلاش کرنے لگے۔ اس نئی دنیا میں ایک عجیب تماشہ دکھائی دیتا تھا۔ ہر ایک شخص ان کی شکل کو دیکھکر کام دینے سے انکار کر دیتا تھا۔ اس حالت میں ان کا ایک کارڈ مجھ کو ملا۔ کہ ہم آگئے ہیں۔ مگر کام نہیں ملتا۔ اگر وہاں کام ہو۔ خواہ کیسا ہی سخت ہو۔ تو ہم آپ کے پاس آجائیں۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا۔ کہ یہاں پر کام تو ہر وقت مل سکتا ہے۔ ہلکا کام بھی اور سخت کام بھی مگر چونکہ آپکے بال لمبے لمبے ہیں۔ اس لئے آپ کی شکل کو دیکھ کر لوگ گھبرا جائینگے۔ اور کام دینے سے شاید پہلو تہی کریں۔ شاید آپکو مایوس ہونا پڑے۔ اس کے سوائے اگر کوئی دوسری سیوا میں آپکی کر سکوں۔ تو کرنیکے لئے

تیار ہوں - کیونکہ آپ سفر میں ہیں - مگر اُس کا جواب مجھے آج ملتا ہے -
جب کام کی تلاش میں اُنکو ناکامیابی ہوئی - تو تنگ آ گئے - ازاں بعد مسٹر
گالوالی اور مسٹر گوننگ سے جو رام سوامی کی سبھا کے سہایک ہیں - اُن سے
سفارش کے ملتجی ہوئے - ان بیچاروں نے ان کیلئے کئی ایک جگہ کام کے لئے
ہاں کروائی - مگر وہ جب ہی کام پر جاتے - کام کروانے والے اُنکی شکلوں کو دیکھکر
کام دینے سے مُنکر ہو جاتے - آخر ایک جگہ اُنکی سفارش کا جادو چل گیا - کام کرنے
لگ گئے - ایک دن کسی نے ایک کاغذ کا پرزہ لکھ کر وہاں ڈال دیا - کہ یہاں
کام کیلئے مت آؤ - تمہاری یہاں ضرورت نہیں - شائستہ ملکوں میں اتنا
ہی اشارہ کافی ہوتا ہے - ان دنوں اتفاق سے مہاراجہ صاحب بڑودہ امریکہ
آئے ہوئے تھے - وہ امریکہ کی تقریباً ساری یونیورسٹیوں کا معائنہ کر چکے
تھے - ان دونوں طالب علموں نے مہاراجہ صاحب سے درخواست کی - کہ ہمکو
مہربانی کر کے کسی کالج میں بھیجدیا جاوے - کیونکہ ہم پڑھنے کی نیت سے یہاں
آئے ہیں - مہاراجہ صاحب نے ان کی درخواست کو منظور کر کے ان کو وظیفہ
دیکر کولمبیا یونیورسٹی میں بھیجدیا - کچھ دن ہی گذرے تھے - جو مجھ کو خبر ملی - کہ
وہ ہر دو خالصہ جو یہاں آئے تھے - ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے - وہ ان
گھوڑوں سمیت وطن کو واپس لوٹ گئے - ماہ اگست نصف گذر چکا تھا -
مہاشہ مہیش چندر ان دنوں پورٹ لینڈ آ گئے تھے - میں اُن سے ملنے وہاں
گیا - اینوار کے دن ایک اخبار میں اس سرخی سے ایک نوٹ نکلا - کہ کینیڈا
نے ہندو قلیوں کو بھگا کر باہر کر دیا ہے - اُن کی پانچسو کی بھرتی جہاز میں
سفر کر رہی ہے - امریکن بندرگاہوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے - کہ کہیں ہندوستان
کے یہ وحشی غلام لمبے بالوں والے ہمارے ملک میں نہ آ گھسیں - یہ لوگ
حفظانِ صحت کے اصولوں سے بھی ناواقف ہیں - مسٹر مکرجی نے فرسکو
سے مجھ کو ایک خط میں لکھا - کہ ایک اخبار میں یہ نوٹ نکلا ہے - کہ ہندو

ہندوؤں سے رٹ گیا۔ تین آدمی جیل میں بھیجے گئے۔ ایک آدمی نے اپنے جسم
پر زخم لگا کر ڈاکہ مشہور کر دیا۔ یہ شخص بنام جوالا سنگھ موضع سدولی ضلع لدھیانہ
کا رہنے والا تھا جس کا نام آگے چل کر بھی آویگا۔ اس میں مسٹر مکرجی نے
یہ بھی ذکر کیا تھا۔ کہ میں لالہ لاجپت رائے جی کو لکھتا ہوں۔ کہ ایسے آدمی اس
ملک میں نہ آنے چاہئیں۔ جو ہمارے ملک کی بدنامی کا باعث ہوں۔ میں
نے اس کے جواب میں کہا۔ کیا وہ لوگ اُنکے ہم صلاح ہو کر آتے ہیں۔ آخر
اس مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عدالت نے یہ فیصلہ دیا۔ کہ مقدمہ چلانیوالے
شخص نے خود زخم لگائے تھے۔ عدالت نے ملزموں کو بری کر دیا۔ افسوس
کہاں سوامی رام تیرتھ اور ویویکانند جیسے دیش بھگت جنہوں نے امریکہ
والوں سے یہ کہلوا لیا۔ کہ ہندوستان بھی ایسے آدمی پیدا کر سکتا ہے جن کی
نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ اور کہاں ملک اور قوم کو بدنام کرنیوالے یہ خالصہ لوگ
امریکہ میں سکھ آتے تھے۔ لیکن بہت کم۔ اب اُنکو بالکل بندش ہو گئی ہے
اُن کے کم آنیکی وجہ یہ تھی۔ کہ اُنکو اس ملک میں بالکل مزدوری نہیں ملتی تھی
تا وقتیکہ کیس نہ کٹوا لیں۔ چنانچہ بہت سے سکھوں نے یہاں آکر کیس کٹوا
ڈالے۔ کئی پڑھے لکھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چینیوں کو بھی اس ملک میں کام
کم ملتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی بال رکھتے ہیں۔ ہاں ان کو اکثر بارود کی فیکٹریوں
میں کام مل جاتا ہے۔ کئی دفعہ فیکٹریاں اڑ جاتی ہیں۔ تو چینی بھی ہوا میں
اڑتے نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے سکھوں کو بھی کام مل جاتا ہے۔ اب
میں کینیڈا کا ذکر کرتا ہوں۔ کینیڈا میں ایک شہر ونیکوور نامی ہے۔ وہاں
ایک مشہور ہندوستانی لالہ دیوی چند جی ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا!
انہوں نے مجھ سے بھی جوالا سنگھ مذکور کی شکایت کی۔ جوالا سنگھ نے
دیوی چند کو بھی جیل خانے کی سیر کروائی تھی۔ ایک دن ایک خالصہ
شراب پیکر بازار میں گذر رہا تھا۔ راستہ میں ایک شریف لیڈی کا

گذر ہوا۔ شرابی نے لیڈی کو کہا "ہیلو" لیڈی نے بھی جواب میں "ہیلو" کہدیا۔ تب خالصہ شرابی نے اس لیڈی کو پکڑ لیا۔ اتنے میں پولیس آپہونچی وہ گرفتار کر لیا گیا۔ خالصہ نے جواب دیا۔ کہ میں شراب کی حالت میں تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا۔ کہ کیا کر دیا۔ عدالت نے وحشی جانکر چھوڑ دیا؛

ہر اتوار کو بہت سے سکھ کچھیں پہنکر۔ ٹھاٹھہ مُنہ پر لگا کر ڈھولک اور چھینے بجاتے ہیں۔ بولیاں پاتے ہیں۔ بہت سی لیڈیاں اور بچے اِن وحشیوں کی کارروائی دیکھنے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ ہنستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ بازاروں میں بعض اوقات پگڑی اتار کر بالوں میں کنگھی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک کارخانہ میں ساٹھ خالصہ کام کرتے تھے۔ رات کو شراب پیکر سب نے شور وغل مچانا شروع کیا۔ پاس کے گھر والوں کو ازحد تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ شور میں سو نہیں سکتے تھے۔ آخر ایک دن ایک لیڈی نے ان سے کہا۔ کہ آپ اتنا شور نہ کیا کریں۔ خالصہ بہادر نے لیڈی کو بالوں سے پکڑ کر مارنا شروع کیا۔ لیکن وہ عورت بھی بڑی بہادر نکلی۔ اس نے بھی خاصہ مقابلہ کیا۔ آخر عورت تھی۔ بیچاری گر گئی۔ اس نے کارخانہ کے مالک سے رپورٹ کی۔ کہ آج یہ پہلا دن ہے۔ کہ اس ملک میں ایک عورت کو ایک جنگلی نے برسر عام بازار میں ذلیل کیا ہے۔ آپ بندوبست کریں۔ اس شریف نے عورت کی بڑی منت سماجت کر کے معافی مانگی۔ اور جھگڑا رفع دفع کر دیا۔ ایسی ہی اور ہزاروں مثالیں میں دیسکتا ہوں۔ ہاں کبھی کبھی ان خالصہ بہادروں کو پریم کی لہر بھی آجاتی ہے۔ پھر تو یہ سب اپنے اپنے استر شستر لیکر رن بھومی میں آجاتے ہیں۔ اور خوب گتھم گتھا ہوتے ہیں۔ "ہے تیرے کی اسیں مالوے دے تے تسیں ماجھے دے" یہ کہکر خوب لٹھ بازی ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ہوٹل میں کھانا کھا آوے۔ تو اسکو ڈنڈ دیتے ہیں۔ اس جرمانہ کا کڑاہ پرشاد بنا کر خوب گھپے اڑاتے ہیں۔ سب جمع ہو کر دونوں ہاتھوں سے کھانے لگتے ہیں

خالصہ لوگوں کی ایسی کرتوتوں کو دیکھ کر عیسائی لوگ کہتے ہیں۔ کہ افریقہ کے وحشیوں اور ہندوستانیوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ حالانکہ حبشی لوگ امریکہ میں آکر بہت شائستہ ہو گئے ہیں۔ اس ملک میں جلینی لوگوں کو بہت بُرا جانا جاتا ہے۔ اس سے اتر کر نیگرو لوگوں کو اب اخیر کا درجہ خالصہ لوگوں نے اپنے لئے چن لیا ہے۔ ان لوگوں کے اتیاچار سُنکر جو کہ یہ اس ملک میں کرتے ہیں۔ دل کو بہت دکھ ہوتا ہے میں اتنا ضرور کہونگا۔ کہ اس مہاں پرش نے وقت کو محسوس کر کے۔ غلامی کو دور کرنے کیلئے یہ جماعت کھڑی کی تھی۔ دربدر دھکے کھاتے ہوئے مصیبتوں۔ تکلیفوں کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ ملک کی بربادی اور قوم کی تباہی نے اسکو ایک منٹ بھی چین نہ لینے دیا۔ اُس نے اس قوم پر اپنا آپ ہی نہ قربان کیا۔ بلکہ اپنے پیارے لخت جگروں کو بھی قربان کر دیا۔ مگر آج اس کے نام کو بدنام کرنیوالے خالصہ لوگ اس طرح اپنی کرتوتوں سے جوتیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ اور ملک و قوم کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ کیا کوئی خالصہ دیوان میرے ان چند الفاظ پر غور کر کے اس بات کی طرف دھیان دیگا۔ کہ وہ اپنے سکھ بھائیوں کی گری ہوئی حالت کو دیکھیں۔ وہ اپدیشک جو تمہاری طرف سے دہرم کا پرچار کر رہے ہیں۔ انکو چاہئے۔ کہ وہ دھرم کا اپدیش کرتے ہوئے گاؤں گاؤں میں تعلیم گاہیں قائم کریں ان کو لکھائیں۔ پڑھائیں۔ ان کو انسانیت سکھائیں۔ پھر ان کو وہ اپدیش سنائیں جو کہ وہ مہاں پرش سنایا کرتا تھا کہ:-

سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں ٭ تب میں نام گوبند سنگھ کہاؤں
چڑیوں سے میں باز لڑاؤں ٭ اس حالت گوبند سنگھ کہاؤں

منشی رام از امریکہ

رادھا سوامی مت درپن

اس نام کی ایک پستک مصنفہ ڈاکٹر گورودت صاحب کوٹ نواسی
ہمارے پاس ریویو کے لئے آئی ہے۔ اس میں رادھا سوامی مت کی اپنی ہی کتابوں
کی بنا پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رادھا سوامی
مت بہت سے سیدھے سادے لوگوں کو نہ صرف بہکانے کا موجب ہو رہا
ہے۔ بلکہ انکو ہر ایک پہلو میں گرا رہا ہے۔ اور لوگوں کو میلا اور ناستک بنانے میں
مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رادھا سوامی مت ناستکوں
کی منڈلی ہے۔ چنانچہ مصنف نے انکی کتاب سار بچن میں سے یہ بات نقل کی ہے۔

"سنتوں کی مہما بہت بھاری ہے۔ خدا اور پرمیشور دونوں کو پیدا
کرنیوالے سنت ہیں۔ اور انکے گن کو وے دونوں نہیں جان سکتے"

سنتوں سے یہاں رادھا سوامی سے مراد ہے۔ جو کہ شبدیال سنگھ اس
فرقہ کے بانی کا لقب تھا۔ رادھا سوامی جابجا ویدوں کی نندا کرتا ہے۔ چنانچہ
اس کا بچن ہے۔ کہ

"سنتوں کے بچنوں کو جو وید سے ملاتے ہیں۔ وہ بڑے نادان ہیں۔
سنتوں کی مہما آپ وید کا کرتا نہیں جانتا پھر وید کیا جانے۔"

رادھا سوامی کے نزدیک جسقدر دیوتا یا پیغمبر ہوئے ہیں۔ وہ سب چھوٹے
تھے۔ اور ان سب کا درجہ شبدیال سنگھ سے نیچا ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک :۔

"جو سنت کہ وید کے کرتا کے کرتا ہیں۔ اُن کی اُنکو بالکل خبر نہیں ہے
جو وید پڑھکر سنت کہلاتے ہیں۔ وہ ان سنتوں کے سیوکوں کی

بھی برابری نہیں کر سکتے۔ پانچوں شاستروں کا دوش تو ویدانت نے نکالا اور ویدانت کا دوش اب سنت ست گورو نکالتے ہیں۔ ستجگ۔ تریتا اور دواپر میں ان شاستروں کی پول نہیں نکلی کیونکہ جب سنت پرگھٹ نہیں ہوئے تھے۔ اب کلجگ میں واسطے ادھار جیووں کی سنتوں نے چرن پدھارے ہیں۔ اور سب متوں کے دوش اور غلطیوں کو کھولکر جتاتے ہیں!!

معلوم ہوتا ہے رشبدیال کوئی خبطی آدمی تھا۔ ورنہ وہ اس قسم کی پاگل پن کی باتیں کبھی نہ کرتا۔ نہ اپنے آپکو خدا کا باپ بناتا۔ صرف یہانتک ہی معاملہ نہیں رہتا بلکہ رادھا سوامی ست کے آدمی بڑے اگھوری معلوم ہوتے ہیں۔ جوٹھا اور تھوک تک کھا پی جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا گورو اپنی کتاب سار بچن میں اپنے چیلوں کو گورو کی سیوا کے یہ سادھن بتاتا ہے:۔

چرن دباوے پنکھا پھیرے + چکّی پیسے پانی بھرے
موری دھو جھاڑو کو دہاوے + کھود کھدانہ مٹی لاوے
ہاتھ دھلا داتن کراوے + کاٹ پیڑ سے داتن لاوے
بٹنا مل اشنان کراوے + انگ پوچھاوے دہوتی پہناوے
دہوتی دہوئے انگوچھا دہووے + کنگھا کرے بال جل کھووے
بستر پہناوے تلک لگاوے + کرے رسوئی بھوگ لگاوے
جل اچوائے حقہ بھرے + پلنگ بچھائے بنتی کرے
پیک دان لے پیک کراوے + پھر سب پیک آپ پی جاوے

یہ کیسی چنڈال لیلا ہے۔ کہ لوگوں کو تھوک پلایا جاتا ہے۔ ہا! تھوہ! پھر سارا اپدیش صفحہ ۵۶ - ۵۷ میں گورو کی دہوتی یا پاؤں دھلا پانی پینے اور گورو کی جوٹھ کھانیکی ہدایت کی گئی ہے۔ پھر صفحہ ۱۸۴ پر وید شاستر سمرتی آدمی کے پڑھنے کو ان مورکھوں نے فضول قرار دیا ہے۔ اور ودّیا کی ان الفاظ میں نندا کی ہے:۔

ہے بدیا تو بڑی ابدیا + سنتن کی تیں قدر نہ جانی

سنت پریم کے سندھ بھرے ہیں + تین اُتی برھی کیچڑ سانی
بدیا چھوڑ کرو یہہ کرنی + تو پاؤ و سنت نام نشانی
سنت متا بدیا سے نیارا + بدیا ٹھگی جیو ٹھگانی
تاتے بدیا سبھی بھلا دو + سنت سمرن پکڑو اب آنی
سنت نہ بدیا پڑھے کوئی + ان کے انو بھو سمند سمانی

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بدیا اودیا اور ٹھگی ہے۔ ودیا کو چھوڑ دو۔ اور سنتوں کو پکڑو۔ سنت کوئی ودّیا نہیں پڑھتے۔ ان کا مت نیارا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا گورو بالکل ہی مورکھ تھا۔ اسی لئے وہ دوسروں کو بھی ودّیا پڑھنے سے منع کر گیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ اگھوری بن رہے ہیں۔ اور بُدھی کو جواب دے رہے ہیں۔ چنانچہ انکی کتاب سار بچن میں لکھا ہے:-

"جیو کو سنتوں کے سنگ کا ادھیکار ہی نہیں ہے۔ بہتیرا سمجھاؤ۔ مگر اپنی بُدھی کی چترائی پیش کئے بنا مانتا ہی نہیں ہے۔ اور یہاں بدھی کا کام ہی نہیں ہے۔ یہ مارگ تو پریم کا ہے۔

پھر آگے چل کر یوں لکھا ہے:-

"آجکل کے گیانی وید کو پہلے کہتے ہیں۔ اور سنتوں کو پیچھے بتاتے ہیں۔ یہ اُنکی بڑی بھول ہے۔ . . . جو سنت کہ وید کے کرتا کے کرتا ہیں ان کی ان کو خبر نہیں"

معلوم ہوتا ہے کہ شبدیال سنگھ نے اپنے مقلدوں کو خوب اُلّو بنانیکی کوشش کی ہے چنانچہ لکھا ہے "جسکو ست گورو کا نسچہ ہے۔ وہ ست گورو میں کوئی اوگن نہیں دیکھتا ہے۔ اور جو اوگن درشٹی آئی۔ تو ست گورو بھاؤ جاتا رہا۔ اسواسطے ست گورو کی نسبت کبھی اوگن درشٹی لانا نہیں چاہیئے"

ست گورو کو اپنے دوش خوب معلوم تھے۔ اسی لئے اس نے عقلمندوں اور عالموں کی ان الفاظ میں نندا کی ہے:-

"دیادان اور چتر ست گورو کے سنگ کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ
یہ آہنکاری ہوتے ہیں۔ اور انکو سنت ستگور بھاو پراپت نہیں ہوتا
سنت دیکھی ہوئی کہتے ہیں۔ اور یہ نادان سنی ہوئی بکتے ہیں اور
اپنی عقل کے زور سے بدھی ملانا چاہتے ہیں"
اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رادھاسوامی مت میں سوائے بدھووں اور
مورکھوں کے اور کوئی نہیں پھنستا کیونکہ رادھاسوامی سنت کے خیال میں کوئی
عقلمند اور عالم انکی سنگت کا ادہکاری نہیں ہے علاوہ ازیں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔
"گورمکھ اسکا نام ہے۔ جو ست گورو کو مالک کل سمجھے۔ اور ان کی
کسی کرتوت پر ترک نہ کرے اور ابھاو نہ لاوے"
اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ رادھاسوامی مت کے لوگ کیسے مورکھ
ہوتے ہونگے۔ یہانتک کہ انکو اپنی عقل سے بھی کام لینے کی اجازت نہیں ہے
یہی نہیں بلکہ ان کے گورو نے ان کو کاٹھ کا الو بنانے کے لئے یہاں تک بھی
اپدیش کیا ہے۔ کہ:۔
"معلوم ہووے کہ ماتا۔ پتا۔ ست ستری۔ اور سنساری جیووں
کا سنگ کسنگ میں داخل ہے۔ کیونکہ ان کے سنگ سے
نہ ستگور کی سرنی لیجاویگی اور نہ نام ملیگا"
اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رادھاسوامی مت کا بانی جو عمر بھر تک اپنی استری
کے سنگ رہا۔ اور سنساری جیووں سے بات چیت کرتا رہا۔ خود بھی دھوکہ میں رہا
پھر آگے چل کر یہ شخص لکھتا ہے۔ کہ:۔
"جبکہ ستگورو کو تم مالک کہہ چکے۔ تو پھر اور مالک کہاں سے آیا۔ جس کو تم
مانتے ہو۔ اور بڑا سمجھتے ہو۔ تمہارے تو ایک ستگورو ہی مالک ہیں"
معلوم ہوتا ہے کہ رادھاسوامی مت کے تمام لوگ بڑے سخت ناستک
اور بیدین ہیں۔ ان کی بیک دان کی صفائی کا ذکر تو پیچھے ہو چکا ہے۔ اب

ذرا رادھا سوامی کے معراج کا حال سنئے۔ جو کہ مصنف نے "سار بچن" نامی
پستک کے صفحہ ۲۹۲ میں سے نقل کیا ہے۔ رادھا سوامی کی روح پہلے ایک
سوئی کے ناکے برابر سوراخ میں سے گزر کر پہلے آسمان پر پہنچی۔ جہاں رادھا
سوامی نے ہُوہُو اور بادل کی سی گرج سنی۔ اور بہت سے دیگر عجائبات دیکھے
روحوں کا ناچ مجرا۔ شیش محل۔ تالاب اور رنگ برنگ کی مچھلیاں دیکھیں
اس کے بعد روح اوپر کو چلی چنانچہ :۔

"چلتے چلتے پانچ ارب پچھتر کروڑ جوجن اونچی گئی۔ اور عالم ہاہوت
کا ناکہ جا توڑا۔ عالم کی سیر کی۔ دس نیل تک ظلمات یعنی اندھیرا
ہے۔ گہرائی اس تمر کھنڈ کی کہاں تک برنن کروں۔ کھرب جوجن تک
روح نیچے اتر گئی۔ اور تھاہ اس کے ہاتھ نہ لگی۔ اور پھر الٹ پرا اُوپر
چڑھ آئی۔ اور جو نشانہ کہ مرشدوں نے بتایا تھا۔ اس کی سیدھ لیکر
اسی راستہ پر چلی۔ اور انت لینا اس مقام کا انسب نہ سمجھا۔ اس
جگہ پر چار مقام نہایت گپت ہیں۔ اور کسی سنت نے کھولے نہیں"

ان کو بھی سوامی صاحب توڑ پھوڑ کر آگے اُڑ گئے۔ اور کئی روحوں کو ساتھ
اُڑا لے گئے۔ پھر ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں ہنڈولا لٹک رہا ہے۔ اس میں
روحیں جھولتی رہتی ہیں۔ بعد ازاں ان کی روح اور اوپر اڑی۔ اور ایسی
جگہ پہنچی۔ جہاں بے شمار درخت کروڑ کروڑ جوجن لمبے نظر آئے۔ ان
درختوں پر بجائے پھلوں اور پھولوں کے کروڑ کروڑ چاند اور سورج لگے
ہوئے تھے۔ اور انیک روحیں ان درختوں پر لٹک رہی تھیں۔ اس کے بعد
روح اور آگے گئی۔ اور ترلوکی میں پہنچی۔ وہاں روحیں ہنس کی شکل میں رہتی
اور ست پرش کا درشن کرتی ہیں۔ مگر رادھا سوامی کی روح ست پرش سے
بھی آگے نکل گئی۔ یہ مقام پہلے کسی کو معلوم نہیں تھے۔ چنانچہ :۔

"یہ مقام نہ پیغمبر صاحب پر کھلے۔ اور نہ ویاس جی وسشٹ جی

کو معلوم ہوئے۔ پس ہندو اور مسلمان کوئی اس کا یقین کر نہیں
سکتا۔ ان کو اس حال کا سنانا بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ
وہ پیغمبر اور قرآن کے پابند ہیں۔ اور ہندو ویاس اور وشِشٹ
اور وید کے قیدی ہیں۔ ان سے یہ وچن سننے بھی نہیں جائینگے
اس سے مناسب ہے۔ کہ جس کسی کو اعتقاد فقیر اور سنت پر
ایسا ہے۔ کہ ان سب سے آگے سنت پہنچے ہیں۔ اور سنتوں کی
مہما بہت بھاری ہے۔ اور خدا اور پرمیشور دونوں کو پیدا کرنے
والے سنت ہیں۔ اور اُن کی گتی کو وے دونوں نہیں جان
سکتے۔ ایسا اعتقاد سنت اور فقیر پر جس کا ہے۔ اس کو سنانا
اور کہنا اس کا فائدہ کریگا۔ اس واسطے ہر ایک کو یہ سنانا نہ چاہیئے
جب تک کہ اعتقاد اس کا ایسا پرکھ نہ لیا جاوے۔ جیسا کہ اوپر
بیان کیا گیا"+

مذکورہ بالا تمام باتوں سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ رادھا سوامی
مت کے لوگ لوگوں کو بڑا دھوکا دے رہے ہیں۔ اور اُن کو توہمات میں پھنسا کر
دنیا سے بے مکھ کرا کر نا سکتا کے گڑھے میں گرا کر جوٹھ اور تھوک چٹا کر نہایت
ہی نکما۔ گن۔ ہ۔ ازیں سوبانده ازان سور انده بنا رہے ہیں۔ ان لوگوں کی پول
جس قدر کھولی جاوے۔ اسی قدر تھوڑی ہے۔ مصنف نے یہ کتاب لکھ کر
پبلک کو ایک خوفناک غار سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور درحقیقت ایک اچھا کام کیا
ہے۔ اس کتاب کی جتنی اشاعت ہو۔ اس قدر تھوڑی ہے۔ کتاب کی لکھائی
چھپائی عمدہ ہے۔ ضخامت ۱۳۲ صفحہ ہے۔ قیمت ۶/ رہے۔ جو کہ زیادہ نہیں
ہے۔ لالہ وزیر چند جی ایڈیٹر آریہ مسافر جالندھر شہر سے مل سکتی ہے +